SIECT
www.shibliinternational.com
November 2020 نومبر
ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

20/- روپے

جلد3 Vol:3 ۔شمارہ Issue:33

نومبر: Nov :2020

ماہنامہ

حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، استاذ الاساتذہ حضرت رحمٰن جامی
پروفیسر مظفر علی شہہ میری، پروفیسر محسن عثمانی ندوی
پروفیسر ابوالکلام پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی،
ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مولانا ارشاد الحق مدنی،
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ
محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال
ڈاکٹر ناظم علی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ
بانو، ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر
فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، مولانا احمد نورعینی
ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

SADA E SHIBLI
A/c: 13271024000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

قیمت فی شمارہ: 20 سالانہ: 220
رجسٹرڈ ڈاک: 350- بیرونی ممالک: 50/ امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 1000

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ (قسط: ۳۰)	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	ایمان بالآخرت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۱۱
۵	حیوانات کے حقوق اور احکام	مفتی امانت علی قاسمی	۱۳
۶	غزل	فضا ابن فیضی	۱۷
۷	سنجیدگی سے سلامتی تک	جہانگیر قیاس	۱۸
۸	غزل	عشرت جہاں	۲۱
۹	قیصر شمیم کا رنگ تغزل	عبدالحلیم انصاری	۲۲
۱۰	تامل ناڈو کے عربی مدارس کی اردو خدمات	علیم صبا نویدی	۲۵
۱۱	شعرائے اردو کے تذکروں کی تاریخی وتنقیدی اہمیت	سیرت پروین	۳۰
۱۲	تقدیر میں ہوتو..... (ناولٹ، قسط: ۵)	سیدہ زہرا جبین	۳۴
۱۳	ہندوستانی قصوں سے ماخوذ فارسی مثنویوں پر ایک نظر	شیرین بیگم	۳۸

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

ابو سفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی.....الحاج **محمد منیرالدین عرف ولی**، آغا پورہ حیدرآباد
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد.....الحاج **محمد عبد الستار** سیکھ ویلج سکندرآباد حیدرآباد
علی میاں احمد پٹھان رائے گڑھ (مہاراشٹر).....**علی احمد عبد اللہ** کونچالی، رائے گڑھ (مہاراشٹر)
الحاج **رئیس احمد اقبال** انجینئر، سیکھ ویلج سکندرآباد حیدرآباد.....**محمد عبدالماجد** ایڈوکیٹ، سکندرآباد، حیدرآباد
جناب قاضی **فیض الدین**، اپر توڑیل، مہاڈ، رائے گڑھ مہاراشٹرا۔ ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج
چارمینار، حیدرآباد.....مولانا **محمد عبدالقادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد۔
الحاج **محمد قمرالدین** نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

اپنی بات

ماہِ نومبر ہمارے لیے ایک یادگار اور تاریخی مہینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی ماہ میں ملک کی متعدد مقبول و معروف ہستیاں پیدا ہوئیں۔ جیسے شاعر مشرق علامہ اقبال (۹) مولانا ابوالکلام آزاد (۱۱) پنڈت جواہر لال نہرو (۱۴) مولانا سید سلیمان ندوی (۲۲) وغیرہ۔ ان نامور عالموں اور دانشوروں نے اپنی تحریر و تقریر، سماجی و سیاسی خدمات سے دنیا اور باشندۂ ہند میں علمی و عملی، آفاقی فکر پیدا کرنے کوشش کی، جس کے انمٹ نقوش آج بھی لوگوں کے اذہان پر ثبت ہیں اور اہل علم و دانش اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

موجودہ دور میں بالخصوص ہمارے ملک کی جو صورتِ حال ہے کہ انسان مذہبی رنگ میں عداوتی اعتبار سے تقسیم ہوتا چلا جا رہا ہے، جو ملک اور عوام کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ اس وجہ سے ادیب اور باشعور طبقے پر مزید ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ لوگوں کو تاریکی سے خبردار کریں اور تابناکی کی راہ دکھائیں۔

ماہِ نومبر کی ۱۰/ تاریخ کو رات دیر گئے بہار اسمبلی کے الیکشن کے نتائج سامنے آئے۔ این ڈی اے کو اکثریت حاصل ہوئی اور مہا گٹھ بندھن نے خوب مقابلہ کیا، جس کی بنا پر بہار اسمبلی میں ایک طاقتور اپوزیشن کا وجود ہوا۔ دونوں جماعتوں نے اپنی اپنی ریلیوں اور جلسوں میں ریاستِ بہار کی عوام سے یہی وعدہ کیا تھا کہ ہم آپ کی بدحالی کو خوشحالی میں تبدیل کر دیں گے، آپ ہمیں ایک یا ایک بار پھر موقع دیں۔ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ برسرِ اقتدار جماعت وعدے پر کتنی کھری اترتی ہے۔ الیکشن کے نتائج پر شکست کھائی یا دی گئی جماعت نے الزام لگایا کہ ہم ہارے نہیں ہیں بلکہ ہرائے گئے ہیں۔ آنے والے دنوں میں ساری تصاویر صاف ہو جائے گی۔

الیکشن کے نتائج پر شکوک و شبہات کا پیدا ہونا دس دہائیوں سے ہے اور یہ چیز جمہوریت کے لیے نقصان دہ ہے، اس وجہ سے ووٹنگ سسٹم کو آدھار کارڈ کے انگوٹھے کے ساتھ مربوط کر دینا چاہئے اور ووٹوں کی شماری کے وقت کیمرے وہاں پر ریکارڈنگ کے ساتھ ہونا چاہئے، اس سے فاتح کو دوبالہ خوشی اور شکست خوردہ کو اطمینان حاصل ہوگا۔ نیز عوام اپنے حق سے مطمئن نظر آئے گی۔

اسی ماہ کے اخیر عشرے میں حیدرآباد تلنگانہ کے بلدیہ الیکشن کا اعلان ہوا۔ سبھی سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے امیدوار میدان میں اتارے، برسرِ اقتدار نے اپنی خدمات کو پیش کیا اور آئندہ مزید اضافے کے ساتھ خدمت کرنے کا وعدہ کیا، مگر افسوس ہوتا ہے مرکزی برسرِ اقتدار پارٹی پر کہ وہ حیدرآباد فرخندہ آباد کا نام بدلنے میں زیادہ دلچسپی دکھا رہی ہے اور فرقہ پرستی کے دروازے سے بلدیہ پر متمکن ہونا چاہتی ہے۔ ادارہ گریٹر حیدرآباد کے تمام باشندوں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کریں۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

مہمان نوازی:

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا، مشرک و کافر سب آپؐ کے مہمان ہوتے اور آپؐ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے، جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپؐ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا اور خود بہ نفس نفیس ان کی خدمت کی، ایک دفعہ کافر مہمان ہوا، آپؐ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا، وہ سارے کا سارا پی گیا، آپؐ نے دوسری بکری منگوائی، وہ بھی کافی نہ ہوئی، غرض سات بکریوں تک نوبت آئی جب تک وہ سیر نہ ہوا، آپؐ پلاتے گئے۔

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود رہتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے، آپؐ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔

صحابہ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا، وہ مسلمانوں کے مہمان عام تھے لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت ﷺ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا، ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار لائے لیکن آنحضرت ﷺ دس آدمیوں کو ساتھ لے جائے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین آدمی کو ساتھ لائے لیکن آنحضرت ﷺ دس آدمیوں کو ہمراہ لے گئے۔

اصحابِ صفہ میں حضرت ابوہریرہؓ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت دردانگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدتِ گرسنگی کی حالت میں گذرگاہِ عام پر بیٹھ گیا، حضرت ابوبکر راستے سے گذرتے تو میں نے بہ طور حسنِ طلب کے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گذر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گذر ہوا، تو آپؐ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ، آپؐ گھر میں پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا آپؐ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیتاً بھیجا ہے، آپؐ نے مجھ سے کہا کہ اصحابِ صفہ کو بلاؤ میں ان کو بلا لایا تو آپؐ نے مجھ کو دودھ کا پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کر دو۔

آنحضرت ﷺ کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے، جب دو پہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا، اور اصحابِ صفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ کو اوکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے۔

مقدادؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی، ہم لوگوں نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کیا، آخر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ دولت خانہ پر لوا گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو، چنانچہ ہم میں ہر شخص دودھ دوہ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔

(ایک دن اصحابِ صفہ کو لے کر حضرت عائشہ کے گھر پہنچے اور فرمایا کہ کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ چونی کا پکا ہوا کھانا سامنے لا کر رکھا گیا، آپؐ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، اس کے بعد بڑے پیالہ میں دودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامانِ مہمانی کی آخری قسط تھی۔)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی (پ: ۱۹۳۸ء) ملک کے نامور اہل قلم اور مصنف و مرتب ہیں، ندوۃ العلما کے فاضل اور عربی زبان وادب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ کالی کٹ یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے صدر رہے، انھوں نے متعدد کتابیں لکھی ہیں، ان میں جدید عربی ادب کا ارتقاء اور عربی شاعری کے جدید رجحانات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، انھوں نے اردو ادب پر بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ آج سے ۱۸/ برس قبل ڈاکٹر صفیہ بی صدر شعبہ اردو وسنسکرت یونیورسٹی نے جہان شبلی کے نام سے کتاب لکھی تو اس کا مقدمہ ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی نے سپرد قلم کیا، یہ کتاب اصلاً سیرۃ النبیؐ کا مطالعہ وجائزہ ہے، مصنفہ نے آخر میں چند تصانیف کے اسلوب پر مقالات شامل کر کے اس کا نام جہان شبلی رکھ دیا ہے، ڈاکٹر احتشام احمد ندوی نے اس کے دیباچہ میں سیرۃ النبیؐ کی انفرادیت اور اس کے اسلوب نگارش پر اپنی توجہ مرکوز رکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اردو زبان میں علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عظمت وشہرت کی حامل ہے۔ اس کتاب نے اردو میں تاریخی تحقیق کا معیار بلند کر دیا ہے اور دعوی کیا جا سکتا ہے کہ اتنی محققانہ کتاب سیرت کسی زبان میں نہیں لکھی گئی۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں علامہ شبلی کا اسلوب بیان بھی پوری دلکشی ورعنائی کے ساتھ عظمت فن کی ترجمانی کرتا ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی زندگی کے آخر میں ایک ایسی علمی شمع روشن کر دی ہے جو تا ابد روشن رہے گی۔ حالانکہ جس وقت انھوں نے یہ کام شروع کیا تھا خود ان کی شمع جھلملا رہی تھی مگر ان کی فکری قوت اور فنی عظمت اعلی مرتبہ پر تھی اور جو علمی وتحقیقی سیرت نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی انھوں نے باوجود اپنی علالت کے پیش کر دی اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے''۔ (جہان شبلی مقدمہ ص ۷)

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی نے صرف دعوی نہیں کیا ہے بلکہ عربی زبان میں لکھی جانے والی تین کتابوں (محمد رضا کی 'محمد رسول اللہ'۔ محمد حسین ہیکل کی 'حیاۃ محمدؐ'۔ اور عباس محمود عقاد کی 'عبقریۃ محمدؐ') سے بحیرا راہب کے واقعہ کو بطور مثال پیش کر کے مذکورہ کتب کی تحقیقی کمزوریاں دکھلائی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ مذکورہ کتابوں میں تحقیق کا وہ معیار نہیں جو شبلی کی سیرۃ النبی میں ہے۔ (ایضاص ۱۹)

ڈاکٹر صاحب شبلی کے اسلوب نگارش کی عظمت کے بھی معترف ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ:

''سیرۃ النبی تحقیق کا اعلی نمونہ ہے، یہ تحقیق علامہ شبلی نے اپنے مخصوص اسلوب میں پیش کی ہے، اس بنا پر سیرۃ النبیؐ نہ صرف تحقیق کا شاہکار ہے بلکہ حسن اسلوب میں بھی ممتاز ہے، خصوصاً جو عبارت علامہ شبلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر لکھی ہے وہ ادب وانشا کا اعلی معیار ہے۔

سیرۃ النبی ہمارے ادب میں اعلیٰ تحقیق اور عمدہ اسلوب کا نمونہ ہے''۔(ایضاص ۱۹)

پروفیسر عبد الحق

پروفیسر عبد الحق (پ: ۲۴/اپریل ۱۹۳۹ء) سابق صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی محتاج تعارف نہیں۔ وہ نامور اہل قلم، صاحب اسلوب ادیب وانشا پرداز اور صاحب نظر نقاد ہیں، ان کی متعدد گراں مایہ کتابیں مقبول عام ہیں، تحقیق وتدوین کے میدان میں بھی انھوں نے بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں، لیکن ان کی محنت وتحقیق وتصنیف وتالیف کی اصل جولان گاہ اقبالیات ہے، وہ اس وقت سب سے بڑے ماہر اقبالیات ہیں، اس موضوع پر ان کی آدھا درجن محققانہ کتابیں اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں، علامہ اقبال سے تعلق اور پھر علامہ شبلی کی عظمتوں نے انھیں ان کا والہ وشیدائی بنا دیا ہے، وہ علم ومطالعے کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ:

''ادبی اسلوب وانتقاد کے سرچشمے علامہ شبلی کے سنگ راہ سے پھوٹتے ہیں۔ ان کی ہر نسبت شبلی سے منسوب کی جائے گی۔ محسوس ہوتا ہے کہ تخلیق وتنقید کے آب بقا کا مصدر شبلی کی تحریریں ہیں۔ ایک صدی کا ہدف ہمارے سامنے ہے، اس انداز کا نصیب ہونا کجا دور کا رشتہ وپیوند بھی قائم نہ کر سکا۔ شبلی ابر نیساں بن کر برسے اور کشت ویراں کو نمو اور نمی سے سیراب کر گئے۔ ان کی انتقادی نظر ہمیں بینائی بخشنے میں مدتوں معاون رہے گی، نصف صدی میں کیسے کیسے انتقادی نشیب ونارسائی سے گذرنا پڑا، ادب کا ہر طالب علم ہراساں ہوا ہے۔ نظریات کی گمرہی سے ادب کا زیاں ہوا اور ہم زیاں کار بھی بنے۔ علامہ کے آئین واسالیب نے ہی اس آشوب میں ہمیں استقرار بخشا''۔ (تنقیدی مباحث اور شبلی کا نظام نقد، تبریک ص ۷)

استاذی پروفیسر عبد الحق نے شبلی کی انتقادی فکر اور تنقیدی اسالیب پر کئی مقالے لکھے ہیں ان کا اور بعض دوسرے مضامین کا مجموعہ ''شبلی اور معاصرین'' کے عنوان سے شبلی صدی کے موقع پر نومبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے ان کی شبلی اور افکار شبلی سے گہری وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے دیباچہ میں انھوں نے شبلی کی شخصیت اور فکر وفن کو ان الفاظ میں خراج پیش کیا ہے:

''اس میں شک نہیں کہ علامہ کی جنبش نگاہ میں ان گنت حرف راز پنہاں ہیں۔ ایسی تہہ دار شخصیت نایاب ہے۔ علم وعمل کی ہر محفل کو نور وسرور سے چراغاں کرنے والے شبلی ہی ہیں۔ ان کی ذات معجز نمائی کی مثال ہے۔ مختصر مدت میں علم وادب کے حیرت خیز ذخیرے کی تخلیق کرنے والا ہماری یادداشتوں میں ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ سرمایہ سخن کی یہ ثروت خامہ حق نے ان کی سرنوشت ہی رقم کی تھی۔ ان کی کارگہی کے ممکنات کا محاسبہ ہم سے نہ ہو سکا۔ ہماری بدتوفیقی تھی کہ ہم نے ایسی بلند وبالا شخصیت کو تنقید کی کم نگہی کے حوالوں سے دیکھا۔ ان کے عالم شش جہات کی بے کراں وسعتوں کے استحضار کے لئے ہمارا ذہن متحمل نہ ہو سکا۔ شبلی ابر بہار بن کر برسے اور ہماری کشت ویراں کو خون گرم دہقاں کی حرارت دے گئے۔ ایک صدی کے حادثات نے علامہ کی ناگزیر معنویت پر مہر ثبت کر دی''۔ (شبلی اور معاصرین ص ۵)

شبلی پر ہونے والی تنقیدوں اور پھر ان کی تخلیقی انفرادیت اور ان کے سلسلہ در سلسلہ تلامذہ کے کارناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لونی لگنے کی پیش گوئی شرم سار ہوئی۔ تصانیف

کی اشاعتی سرگرمیاں اور پاک طینت قارئین کے جذب وشوق کی جنوں خیزی بڑھتی رہی مگر یہ عجیب بات ہے کہ اقبال کی طرح شبلی بھی تنقید کا ہدف بنتے رہے، مگر ان کی توقیر میں اضافہ ہوتا رہا۔ انتقادی بے سوادی یا کم نگاہی ملامت سے دوچار ہوئی، شبلی ہمارے لئے ناگزیر بنتے گئے۔ موازنہ سے اتفاق نہ ہو شعرالعجم سے مفر ممکن نہیں ہے۔ سیرت وسوانح کے ساتھ ان کی انشا پردازی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی روشن خیالی اور انقلابی فکر کا بھی کوئی حریف نہیں ہے۔ تہذیب وتاریخ کے سوز دروں سے ایسی محبت رکھنے والا بھی نظر میں نہیں ہے۔ تخلیق کو تاریخی حقائق سے گراں بار کیا۔ تخلیق کو واقعات سے ہم آہنگ کیا۔ غیر معمولی شاگردوں کا نسب نامہ بھی صرف شبلی سے منسوب ہے۔ علم وادب کی دنیا میں سلسلہ تبحر کی سلسبیل صرف شبلی کی ہے''۔ (ایضاص ۵۔۶)

تصانیف شبلی تراجم کے ذریعہ عالمی توجہ کا مرکز بنیں اور بلاشبہہ یہ افتخار اردو کے عناصر خمسہ میں کسی کے نصیب میں نہ آیا۔ تصانیف شبلی کے تراجم کے بارے میں پروفیسر عبدالحق صاحب نے لکھا ہے کہ:

''کسی دوسرے ادیب کی جملہ تصانیف کا اس اہتمام سے دوسری زبانوں میں ترجمہ نہ ہوسکا۔ ان کی تصانیف کے تراجم نے اردو کو عالمی تعارف وتناظر بخشا۔ الفاروق کے دسیوں زبانوں میں تراجم کو شبلی کے معجزہ فن کی مثال کہہ سکتے ہیں۔ عرض ہنر کا دوسرا کرشمہ سیرۃ النبیؐ ہے۔ روئے زمین پر جہاں رحمت عالم کا ذکر ہوگا اس کتاب کا حوالہ باعث برکت ہوگا۔ شبلی کو آفریں ہو کہ اردو میں لکھی گئی تنقیدی کتاب شعرالعجم کو دنیا کی مؤقر زبان فارسی میں منتقل کیا گیا۔ یہ شرف کسی دوسری تنقیدی کتاب کو حاصل نہ ہوسکا۔ (ایضا)

اور آخر میں بشارت دیتے ہیں کہ

''ذکر شبلی کے بغیر تنقیدی تذکرہ مکمل یا معتبر نہیں ہوگا۔ پوری صدی پر شبلی کے مؤثرات غالب رہے۔ آنے والی صدیاں بھی ان سے بے نیاز نہیں رہ سکتیں''۔ (ایضا)

شمیم حنفی

اردو کے ممتاز ادیب، نقاد اور مصنف ومترجم شمیم حنفی (۱۷ر مئی ۱۹۳۹ء) تفہیم شبلی کے اسباب اور ان کی انفرادیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''اپنے ہم عصروں میں شبلی نے سب سے کم عمر پائی، صرف ستاون برس کی۔ سرسید، حالی، محمد حسین آزاد، نذیر احمد ان سب کی علمی اور ادبی زندگی کا دائرہ شبلی کے مقابلہ میں وسیع ہے، لیکن شبلی کے علمی وادبی کارنامے اپنے تمام ہم عصروں میں بہت منفرد اور ممتاز ہیں۔ تنقید، تاریخ، سوانح، مذہب، مختلف النوع معاشرتی اور تہذیبی موضوعات پر شبلی نے جو کچھ اور جتنا کچھ لکھا اس کی قدر وقیمت کے احساس میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔ شبلی کی تفہیم اور تعبیر کا سلسلہ اسی لئے آج بھی جاری ہے۔

ہمارے یہاں جب سے اس رجحان نے زور پکڑا ہے کہ ہمیں اپنے شعور کو ڈی کولونائز (Decolonize) کرکے اپنی روایت اور اپنے ماضی کا محاسبہ ایک آزادانہ ذہنی پس منظر میں پھر سے کرنا چاہئے، شبلی سے ہمارے فکری رابطوں میں اضافہ ہوا ہے۔ شبلی اپنی روایت کا جو شعور رکھتے تھے، اس میں مغربیت کے عناصر کا عمل دخل نہ ہونے کے

برابر ہے، چنانچہ پچھلے کئی برسوں میں شبلی پر تحقیقی کاموں کی رفتار میں بھی تیزی آئی ہے'' (مولانا شبلی ایک تنقیدی مطالعہ ص ۹، دہلی ۱۹۹۹ء)

ابو سلمان شاہ جہاں پوری

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری (پ: ۳۰ر جنوری ۱۹۴۰ء) پاکستان کے ممتاز اہل قلم اور دانشور ہیں، مولانا آزاد کے بڑے عقیدت کیش ہیں، ان کے مطالعہ وتحقیق اور تصنیف میں زندگی کا بڑا حصہ صرف کیا ہے، تقریباً ایک درجن کتابیں مولانا آزاد سے متعلق شائع ہوچکی ہیں۔ ہندوستان میں ابوعلی اثری (۱۹۰۳-۱۹۹۴ء) مرحوم بھی مولانا آزاد کے ایک بڑے مداح تھے، انھوں نے مولانا آزاد کی شخصیت اور فکر وفن اور سیاسی شعور پر ۴۵ر سے زائد مضامین لکھے جن کے دو مجموعے شائع ہوئے، ایک ہندوستان سے ان کے صاحبزادے ارشد علی انصاری نے ''علامہ شبلی اور مولانا ابوالکلام آزاد'' کے نام سے ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔ دوسرا مجموعہ ''امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد'' کے نام سے عبدالمجید کھوکھر یادگار لائبریری گوجرانوالہ نے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔ اس کا مقدمہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری کے قلم سے ہے۔

آزاد کے ذکر میں شبلی کا ذکر آہی جاتا ہے، وجہ یہی ہے کہ دونوں میں انتہائی گہرے روابط رہے، تعلقات کا آغاز ۱۹۰۰ء میں اس وقت ہوا جب مولانا آزاد نے عربی کتب مصادر کی نشاندہی کے لئے شبلی کو خط لکھا، مولانا آزاد نے کلکتہ سے لسان الصدق جاری کیا تو شبلی نے ان کا بڑا علمی تعاون کیا، اس زمانہ میں علامہ شبلی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری تھے، چنانچہ انھوں نے لسان الصدق کو انجمن کا آرگن قرار دیا جس سے اس کا حلقہ وسیع ہوا، اور انجمن کی رپورٹیں اور رودادیں اشاعت کی غرض سے بھیجیں، مولانا آزاد شبلی کی سرگرمیوں سے بھی قارئین لسان الصدق کو آگاہ کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد مولانا آزاد ۱۹۰۵ء بمبئی میں شبلی سے ملے، شبلی نے انھیں الندوہ کی ادارت کی پیشکش کی، چنانچہ وہ ندوہ آئے اور پانچ ماہ شبلی کے ساتھ قیام پذیر رہے اور الندوہ کی ادارت کی، پھر اس رشتے میں گہرائی پیدا ہوتی چلی گئی اور شبلی کی محبت ابوالکلام سے کبھی کم نہ ہوئی، خط وکتابت اور الہلال سے شبلی کے تعلق کی داستان راقم کی کتاب ''شبلی اور جہان شبلی'' میں قدرے تفصیل سے قلم بند ہوئی ہے۔

ابوعلی اثری مرحوم کی کتاب امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد پر ڈاکٹر صاحب نے بڑا مفصل مقدمہ لکھا ہے، اس میں شبلی کے علم وفضل کا ذکر کیا ہے، ان کی علمی کاوشوں کو سراہا ہے، ان کے سیاسی نقطہ نظر اور اس کے اثرات کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''عملی سیاست سے ان کا تعلق نہ تھا کہ پیش نظر کاموں کی اہمیت کا نہ کوئی اندازہ شناس تھا، نہ کوئی انجام دینے والا، لیکن ان کی مختصر تحریروں اور نظموں نے جو شعور پیدا کیا اور وقت کی سیاست میں جو رہنمائی کی تھی وہ زمیندار، کامریڈ اور الہلال کی انقلابی تحریکوں سے اہمیت میں کم نہ تھی۔ وقت کے یہ تینوں انقلابی صحافی اور سیاسی رہنما شبلی مرحوم سے متاثر اور ان کے افکار سے کسی نہ کسی حد تک فیض یاب تھے۔ شبلی کی ذہانت، ان کی بصیرت اور نکتہ رسی نے ایک سیاسی شعور اور خاموش فکری تحریک پیدا کی تھی۔ وہ وقت کے بہت بڑے دانشور تھے، ظفر علی اور محمد علی کی تربیت میں ان کا حصہ تھا، علی گڑھ کے جمود کو انھوں نے توڑا تھا۔ سرسید کی کاسہ لیسی کا وہ جواب تھے، الہلال کی انقلابی تحریک میں ان کی فکر شامل تھی۔ ان کی علمی، تعلیمی، سیاسی اور سیرت نگاری کی تحریک نے اس پورے دور کا احاطہ کرلیا تھا''۔
> (امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مقدمہ ص ۱۴-۱۵)

مولانا صدرالدین اصلاحی

ایمان بالآخرت

ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ ایمان بالآخرت ہی وہ تنہا سہارا ہے جو سخت حالات میں انسان کی ڈھارس بندھا سکتا اور اس کے قدموں کو اپنی جگہ پر جمائے رکھ سکتا ہے، اگر اندر یہ یقین زندہ نہیں اور اگر آخرت کی باز پرس کا دل دہلا دینے والا تصور آنکھوں کے سامنے ایک مجسم حقیقت بن کر موجد نہیں تو اس بات کی ہرگز کوئی توقع نہیں کی جاسکتی کہ انسان اِس ''منزل ہفت خواں'' کو چند قدم بھی طے کر سکے گا اور یقین جانئے اگر آج نہیں تو کل وہ اُلٹے پاؤں پھر جائے گا اور شکست آرزو کی تلخی سے اس کا منہ بری طرح بگڑا ہوا ہوگا۔ اس وقت نعرہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کی جگہ اس کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے کہ ''حق تو یہی ہے مگر موجودہ حالات میں اس کی کامیابی ناممکن ہے'' چنانچہ یہ جو آپ ہر طرف سے ناممکن ناممکن کا شور سُن رہے ہیں، اس کی علت اس کے سوا کچھ نہیں کہ قیامت کی جواب دہی کے احساس پر مردنی چھا رہی ہے اور لوگوں کو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے کی اتنی فکر نہیں جتنی اپنے نفس اور قوم اور ملک اور دنیا کے سامنے کھڑے ہونے کی ہے۔

جہاں تک ہمارا اندازہ کام کرتا ہے ایک حساس اور فرضِ شناس مومن کے لیے آج کل دنیا پرستی کے دوسرے فتنوں اور اس کے اشکال ومظاہرہ سے دامن کشاں رہنا بہت زیادہ دشوار نہیں، مگر ایک فتنہ ایسا ضرور ہے جس کے پھندے میں ان کے پاؤں کا الجھ جانا ہر آن ممکن ہے اور واقعات کی گواہی یہ ہے کہ ایسا ممکن ہی نہیں ہے بلکہ برابر ہوتا رہتا ہے۔ وہ فتنہ یہ ہے کہ دین کی اقامت کو مقصد زندگی بنانے کا اصلی محرک فی الواقع احساسِ بندگی اور فکر آخرت نہ ہو بلکہ محض اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام کی جاذبیت ہو، اور وہ بھی غالباً اسلام کے ساتھ ایک موروثی عصبیت کی بناء پر آخرت کی باز پرس اگر اس اقدام کی محرک ہو بھی تو محض ثانوی حیثیت سے۔ اللہ کرے ہمارا یہ اندازہ غلط اور ایک قلم خلاف واقعہ ہو، پر قرائن اس کا شبہ ضرور دلاتے ہیں۔ دراصل اس وقت نظمِ مملکت اور معاش کے مسائل نے اتنی ہمہ گیر اہمیت اختیار کر لی ہے کہ آج ہر مفکر کسی نظام کا حسن وقبح معلوم کرنے کے لیے صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس نے معاشی مسئلہ کا کیا حل پیش کیا ہے؟ یہ انداز فکر اتنا مقبول عام اور یہ معیار انتخاب اتنا آفاق گیر ہو چکا ہے کہ اب کہیں سے اس کے خلاف کسی آواز کا اٹھنا قریباً ناممکن ہے۔ اس عالم میں اس معروف عام اور مختار کل فکری شاہراہ سے ہٹ کر انسانیت اور انسانی زندگی کے مسائل پر سوچنا دریا کے مخالف رخ پر تیرنے سے کم دشوار نہیں اور جب صورت حالات یہ ہے تو اس امکان کو کیونکر نا قابل اعتبار سمجھا جاسکتا ہے کہ بعض اللہ کے نام لیوا بھی نادانستہ اس ڈگر پر جا پڑے ہوں۔ پس جہاں ہمیں اپنے محرک عمل یعنی اپنے حبّ خداوندی اور اپنے ایمان بالآخرت کو اغراض ومصالح دنیوی کی تمام غلاظتوں سے پاک کرنے کی بالعموم ضرورت ہے، وہاں اس لطیف نجاست سے قلب ودماغ کی تطہیر خاص توجہ کی مستحق ہے۔ مومن کو شہادت حق کا یہ کام محض اس لیے کرنا چاہئے کہ ہم کو ایک دن اس کی جواب دہی کرنی ہے، نہ اس لیے کہ اس کے ہو جانے سے دنیا کا معاشی توازن درست ہو جائے گا یا اس کی طبقاتی نزاع ختم ہو جائے گا یا اس

کے اعصاب سیاسی کا تشنج دور ہوجائے گا۔ یہ باتیں ان سے تو کہی جاسکتی ہیں جو اسلام کے منکر ہیں تاکہ ان پر اس کی فطری صداقتیں واضح ہوسکیں اور وہ ایک شاخ کی دلآویزی کو دیکھ کر اس کی اصل کی اور بحیثیت مجموعی اس پورے شجرۂ طیبہ کی برکتوں کا اندازہ لگاسکیں، مگر ان کو جو شرح صدر کی نعمتوں سے نوازے جاچکے ہیں اور جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اس پستی اور پست نگاہی سے بہت بلند ہونا چاہئے۔ ان کو تو تن من دہن سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی اور اس کے دین کی اقامت میں منہمک رہنا چاہئے اور اگر کوئی دانش فروش اس جاں فشانی پر انہیں ملامت کرے تو ان کی زبان سے نہیں بلکہ ان کے دوسرے اعضاء وجوارح سے اس کو یہ جواب ملنا چاہئے کہ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا (الدہر) ''ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں''۔

عملی تطہیر

ایمان بالآخرت کی اس فکری تطہیر کے بعد دوسرا قدم اس کے عملی جائزہ کی طرف اٹھانا چاہئے، جس کا مفصل ذکر ایمان باللہ کے سلسلہ میں ہم کرچکے ہیں، یعنی ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اس ایمان میں کتنی طاقت، کتنی کچھ عملی تاثیر، کتنی پائیداری اور کتنی زندگی ہے؟ وہ روزمرہ میں شان حنیفیت پیدا کرنے کا کس قدر بل بوتا رکھتا ہے؟ ہم اس کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کررہے ہیں؟ اگر اس عملی جائزہ سے آپ کو یہ حقیقت محسوس ہو کہ کم تر یا بیشتر، ہمارے فکر وعمل کی باگ ڈور خوف آخرت کے ہاتھوں سے چھوٹ جایا کرتی ہے تو خود ساختہ تاویلوں اور حیلہ جوئیں کی روش عام سے بچ کر ایک سیدھے سادھے مسلمان کی طرح اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں کا دل میں اعتراف کرلینا چاہئے اور یقین کرلینا چاہئے کہ خوف قیامت کے ذکر وبیان سے ہماری زبان کو اتنا تعلق ہے، اس کے تذکرے اور تیقن سے ہمارے قلب کو اتنا تعلق نہیں اور ہمارے اندر جو ایمان بالآخرت ہے، اس کی اہمیت فی الواقع ابھی تک غفلت اور پژمردگی کی حالت میں مبتلا ہے۔ اس احساس واعتراف کے بعد دوسرا فرض یہ ہے کہ اس صورتحال کا علاج کیا جائے اور اپنی ساری طاقتوں کو مجتمع کرکے پوری زور کے ساتھ اس بڑی بھاری غفلت کے آہنی پنجوں سے اس فرضیت واہمیت کو آزاد کرایا جائے۔ یہ کیسے ہوا؟ اس کے لیے آپ کو کم وبیش وہی تدبیریں کرنی پڑیں گی، جن کا ذکر ہم ایمان باللہ کے سلسلہ میں کرچکے ہیں، یعنی

۱) تحصیل یقین

سب سے پہلے تو ہمیں چاہئے کہ اس باب میں نری تقلیدی روش اختیار کرنے سے اپنے کو بچائیں اور اس ایمان کو محض باپ دادا کی موروثی امانت سمجھ کر گلے لگائے رکھنے پر اطمینان کا سانس نہ لیں، کیونکہ کسی خیال یا نظریہ کو صرف اس بناء پر ماننا کہ ہمارے اسلاف واکابر اس کو تسلیم کرتے آئے ہیں۔ اس نظریہ کے پیروؤں اور علم برداروں کی صف میں شمولیت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے تو کافی ہے، مگر کسی سینہ میں وہ آگ لگانے کے لیے قطعاً ناکافی بلکہ ناکارہ ہے، جس کا وہ نظریہ مطالبہ کرتا ہے، کسی فکر کی نری تقلید میدان جدوجہد کے غازی اور جانباز سپاہی ہرگز نہیں پیدا کرسکتی۔ وہ اگر کچھ کرسکتی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس معرکہ کے لیے خیمہ بردار قلی مہیا کردے۔ سینے میں آگ تو صرف وہ نظریہ بھڑکا سکتا ہے جو اتباع آباء کے پردے سے نکل کر انسان کے قلب ودماغ پر براہِ راست اپنی صداقت کی آتشی شعاعیں ڈال رہا ہو اور میدانِ سعی جدوجہد کے جانفروش مجاہد صرف وہ فکر مہیا کرسکتے ہیں جو کارخانہ تقلید سے مستعار نہ لی گئی ہو بلکہ انسان کے اپنے شعور وتعقل میں گہری جڑ رکھتی ہو۔

مفتی امانت علی قاسمی استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند

حیوانات کے حقوق اور احکام

اسلام نے نہ صرف انسانوں کے حقوق اور ان کے عظمت کی تعلیم دی ہے، بلکہ ہر ذی روح جاندار کے حقوق بھی بیان کئے، اسلام ایک جامع نظام حیات پیش کرتا ہے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اسلام حیوانات کے حقوق سے غافل رہے، اسلام سے پہلے نہ صرف انسانوں کے حقوق پامال کئے جارہے تھے؛ بلکہ حیوانات کے حقوق کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، اسلام کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ اس نے حیوانات کے سلسلے میں مکمل اصول دئے، جانوروں کو اگر چہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے تابع اور انسانوں کے نفع کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن جانور کے ساتھ ہم دردی، پیار ومحبت اور نرمی اور اس کے حقوق کی رعایت کی بہت زیادہ تعلیم دی ہے، اس وقت دنیا نے میڈیکل اور حیات انسانی کے بہت سے شعبوں میں خوب ترقی کرلی ہے جس کے اثرات انسانوں کے ساتھ حیوانات میں بھی محسوس کئے جارہے ہیں، بہت سے جانور میڈیکل ریسرچ کا میدان بن رہے ہیں اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سی قوموں میں گوشت خوری کی لت نے جانوروں پر بہت منفی اثر ڈال دیا ہے اس وقت پوری دنیا میں جانوروں کو بچانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، کیوں کہ بعض جانوروں کی نسلیں ختم ہوتی جارہی ہیں اور اس کا منفی اثر ماحول پر پڑ رہا ہے، حکومتیں جانوروں کے تحفظ کے لئے بہت سے قوانین بناتی ہیں، اسلام نے بھی جانوروں کے تعلق سے مختلف حقوق واحکام دئے ہیں، موجودہ حالات میں جانوروں کے جو حقوق ومسائل ہیں اسلام کے وسیع اصول کے تناظر میں اس کو دیکھنے اور اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اس پس منظر میں فقہ اکیڈمی انڈیا نے سوال نامہ بعنوان ''حیوانات کے حقوق واحکام'' کے جوابات پیش خدمت ہیں:

چارہ خور جانوروں کو لحمی غذائیں دینا:

آج کل چارہ خور جانور مثلاً مرغی، گائے، بکری وغیرہ کی جلد نشو ونما کے لئے جو غذائیں تیار کی جارہی ہیں اس میں لحمی اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں، بعض غذاؤں میں دم مسفوح شامل کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں اسلام کا یہ اصول پیش نظر رہنا چاہئے کہ جانور انسانوں کے منافع اور مصالح کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو حضرت انسان کا خادم اور ماتحت بنایا ہے دوا اور غذاء کے ذریعہ اس کی جلد نشو ونما یہ کوئی ناجائز عمل نہیں ہے، آگے یہ مسئلہ آرہا ہے کہ انجکشن کے ذریعہ اس کے گوشت میں اضافہ کرنا درست ہے، اسی طرح اگر کیمیکل اور دوسرے اجزاء ملا کر اس کی غذاء میں لحمی اجزاء شامل کردیا جائے اور وہ مذبوحہ اور حلال جانور کے اجزاء ہوں اور چارہ خور جانور کے کھانے کے قابل بنادیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور نہ ہی یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے، اس لئے کہ حلال چیزوں سے انتفاع کیا جارہا ہے اور جانور کو انسان کے نفع اور مصلحت کے قابل بنایا جارہا ہے، لیکن اگر اس کی غذا میں دم مسفوح یا مردار یا حرام جانور کے اجزاء شامل ہوں اور اس کو تغییر ماہیت کے مرحلہ سے نہ گزارا گیا ہو تو ایسی غذائیں دینا ناجائز ہیں، اس لئے کہ حرام چیزوں سے انتفاع بھی حرام ہے، احسن الفتاویٰ میں ایک سوال ہے کہ پولٹری فارم والے مختلف قسم کے مردار جانوروں کا خون اور دوسرے بعض اعضاء ملا کر مرغیوں کی غذا تیار کرتے ہیں اس کے جواب میں حضرت نے لکھا ہے کہ ایسی غذائیں مرغیوں کو کھلانا جائز نہیں۔(مفتی رشید احمد لدھیانوی، احسن الفتاویٰ، دارالاشاعت، دیوبند، ۲۰۰۰ء، ۱۲۶/۸)

جہاں تک مسئلہ ان جانوروں کے کھانے کا ہے جن کو ایسی غذاؤں سے تیار کیا گیا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جانوروں کا کھانا حلال اور درست ہے، چاہے وہ غذا حلال اور مذبوحہ جانور کے اجزاء پر مشتمل ہو یا حرام ومردار کے اجزاء پر، اس لئے کہ گوشت کی حرمت کے لئے شرط یہ ہے کہ نجس غذا کی وجہ سے گوشت میں بدبو پیدا ہوجائے، جب کہ یہاں اس غذا کے کھلانے سے گوشت میں کسی قسم کی کوئی بدبو پیدا نہیں ہوتی ہے اور اگر گوشت میں بدبو پیدا ہوجائے تو پھر اس کا حکم جلالہ کا ہوگا جس کو چند دن پاک غذا کھلایا جائے گا تا کہ اس کی بدبو ختم ہوجائے، علامہ حصکفی لکھتے ہیں: ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير لان لحمه لا يتغير وما غذي به يصير مسهلكا (الدرمع الرد۹/۴۹۱) بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ان الكراهة في الجلالة لمكان التغير والنتن لا لتناول النجاسة ولهذا إذاخلطت لا يكره وان وجد تناول النجاسة لانها لا تنتن فدل ان العبرة للنتن لا لتناول النجاسة. (کاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیہ ۱۹۸۶ء، ۵/۴۰)

دودھ اور گوشت میں اضافہ کے لئے انجکشن دینا

یہ ایک امر حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں کی خدمت اور اس کے نفع کے لئے پیدا کیا ہے، والانعام خلقها لكم فيها دفءٌ ومنافع ومنها تأكلون. (النحل:۵) پس جانوروں سے انسانی نفع سے متعلق جو چیزیں ہوں اس کا حاصل کرنا درست ہے اور اس کے لئے جانوروں کو تھوڑی بہت تکلیف دینا بھی درست ہے، اس لئے کہ جانور کو تکلیف دئے بغیر اس سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا ہے، جانور پر سواری کرنا یا اس سے بار برداری کا کام لینا انسانی نفع ہے جو از روئے شرع درست ہے، جب کہ اس میں بھی جانوروں کو کسی حد تک تکلیف ہوتی ہے، ہاں جانور کو اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا درست نہیں ہے، لیکن بقدر تحمل بوجھ ڈالنا درست ہے، جانوروں کے گوشت میں اضافہ کے لئے یا دودھ میں اضافہ کے لئے اس کو انجکشن دینا درست ہے، اس لئے اس میں بہت زیادہ تکلیف نہیں ہوتی ہے اور عام طور پر جانور انجکشن کے بعد ہی دودھ دیتے ہیں، پس انسانی نفع کے حصول کے لئے اس کی گنجائش ہوگی، اس کی نظیر شریعت میں موجود ہے کہ جانور کو خصی کرنا گوشت میں لذت کی زیادتی کے لئے ہوتا ہے اور یہ درست ہے، خود آپ ﷺ سے خصی جانور کی قربانی کرنا ثابت ہے، جب کہ جانور کو خصی کرنے کی تکلیف انجکشن دینے کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہے، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: والاصل ان ايصال الألم إلى الحيوان لا يجوز شرعا إلا لمصالح تعود إليه. (ابن نجیم المصری، بحر الرائق، زکریا بکڈپو دیوبند، ۹/۳۵۹)

جانور کو خصی کرنے کے متعلق ابن نجیم لکھتے ہیں، وخصي البهائم يعني يجوز لأنه عليه السلام ضحى بكبشين املحين موجوء ين والموجؤ هو الخصي ولان لحمه يطيب به ويترك النكاح فكان حسنا ولك ان تقول الدليل لا يفيد جواز الفعل وإنما يفيد جواز التضحية به ولا يلزم من جواز التضحية جواز الفعل والجواب ان البهائم كانت تكثر في زمنه ﷺ فتكوى بالنار لأجل المنفعة لمالك فكذا يجوز هذا الفعل لتعود المنفعة للمالك. (بحر الرائق، خصی البھائم، ۸/۲۳۲)

ابن نجیم کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسانی نفع کے لئے جانوروں کو تکلیف دینے کا عہد نبوی میں بھی معمول تھا، جانوروں کو خصی کرنا اور آگ کے ذریعہ سے داغنا

اس طرح کے افعال عہد نبوی سے ثابت ہیں، اس لئے انسان کی مصلحت اور منفعت کے لئے جانور کو انجکشن دینا درست اور جائز ہے۔

دو مختلف جنس کے جانوروں کا اختلاط:

آج کل جانوروں سے زیادہ نفع حاصل کرنے مثلاً زیادہ دودھ حاصل کرنے کے لئے یا اس کے جسمانی حجم کو بڑھانے کے لئے دو مختلف جنس کے جانوروں کا آپس میں اختلاط کرایا جاتا ہے ،اس کا حکم یہ ہے کہ انسانی مصلحت ومنافع کے لئے ایسا کرنا جائز ہے، آپ ﷺ نے خچر کی سواری فرمائی ہے جو کہ گدھے اور گھوڑے کے اختلاط سے پیدا ہوتا ہے، اگر یہ عمل جائز نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی سواری نہ فرماتے، علامہ ابن نجیم نے اس سلسلے میں بڑی وضاحت فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں: وإنزاء الحمير علي الخيل لأنه عليه السلام ركب البغل واقتناه ولو حرم لما فعل — لما كان هذا الفعل فی زمنه ظاهرا والظاهر انه بلغه ولم ينه عنه دل على الجواز. (بحرالرائق ۲۳۴/۸) اس لئے بظاہر اس اختلاط میں کوئی حرج نہیں ہے جہاں تک مسئلہ ہے کہ اگر ایک جانور حلال ہو اور ایک حرام اور اس کے اختلاط سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا کیا حکم ہے، اس سلسلے میں فقہاء کی عبارتیں مختلف ہیں، بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے حلال وحرام جانور کی حلت وحرمت میں ماں کا اعتبار ہوگا، اگر ماں حلال ہے تو بچہ حلال مانا جائے گا، علامہ شامی لکھتے ہیں: لأن المعتبر فی الحل والحرمة الأم فيما تولد من ماكول وغير ماكول (شامی، ابن عابدین، زکریا بکڈپو دیوبند ۱۹۹۶ء، ۴۴۲/۹)۔ بحرالرائق میں لکھا ہے: وكذا يعتبر جانب الأم فی البهائم ايضا حتى إذا تولد بين الوحشی والأهلی وبين الماكول وغير الماكول يؤكل إذا كانت أمه ماكولة. (البحرالرائق ۲۵۱/۴) بدائع الصنائع میں ہے: ليعلم ان حكم الولد حكم امه فی الحل والحرمة دون الفحل (بدائع الصنائع ۳۸/۵) فتاویٰ حقانیہ میں لکھا ہے کہ اگر بکری کے ساتھ کوئی درندہ جفتی کرے تو بچہ ماں کے تابع ہوگا (فتاویٰ حقانیہ ۴۵۱/۶) فتاویٰ قاسمیہ میں ہے کتا اور بکری سے پیدا ہونے والا اور خنزیر اور بکری سے پیدا ہونے والا بچہ حلال ہے اس کا گوشت اور دودھ درست ہے۔ (مفتی محمد شبیر، فتاویٰ قاسمیہ، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱۳۹/۲۴، ۱۴۳۷ھ)

دوسری طرف بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے حلال وحرام جانور کے اختلاط سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ حرام ہے، مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے (خالد سیف اللہ رحمانی، قاموس الفقہ، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ۲۰۰۶ء، ۳۱۹/۳) حلت وحرمت کے اجتماع کے وقت حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے، اس قاعدہ سے استدلال کرتے ہوئے ابن نجیم الاشباہ میں تحریر فرماتے ہیں: من أحد أبويه ماكول والآخر غير ماكول لا يحل أكله فإذا نزا كلب على شاة فولدت لا يؤكل الولد (ابن نجیم، زین الدین، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۹ء، ۹۳/۱) فقہاء کرام نے زیادہ تر دو جنسوں کے اختلاط کی صورت میں ماں کا ہی اعتبار کیا ہے، جبکہ بعض فقہاء نے حرمت کو عام مشائخ کا قول نقل کیا ہے، بعض فقہاء نے یہ بھی ذکر کیا ہے اس بچہ کی صورت اگر حلال جانور کے مشابہ ہے تو اس کو حلال مان لیا جائے گا اور اگر حرام کے مشابہ ہے تو اس کو حرام قرار دیا جائے گا، بہرحال احناف کے یہاں اس مسئلے میں تین اقوال ملتے ہیں، جب کہ دوسرے فقہاء کے یہاں حرمت کو ہی راجح قرار دیا گیا ہے، المجموع شرح مہذب میں ہے: لا يحل ما يولد من ماكول وغير ماكول كالسمع المتولد يعنى الذئب والضبع، والحمار المتولد بين حمار الوحش وحمار الأهل لأنه مخلوق مما يوكل ومما لا يؤكل فغلب فيه الحظر. (النووی، ابوزکریا محی

الدین، المجموع شرح المہذب، دارالفکر، ۹/۲۷)

پرندوں کو پنجرے میں رکھنا:

آج کل زینت اور پرندوں کے رنگ، اس کی آواز سے لطف اندوز ہونے کے لئے پرندوں کو پنجروں میں بند کرنے کا رواج عام ہو رہا ہے، خاص طور پر طوطا کی آواز سے دل لگی کے لئے لوگ اس کو پنجروں میں بند کرتے ہیں، اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ پرندوں کو پنجرے میں بند رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک پرندوں کو قفس میں رکھنا اور اس کی آواز اور رنگ سے انتفاع جائز ہے۔

اقناع میں ہے: سئل القفال عن حبس الطيور فى اقفاص لسماع أصواتها أو غير ذلك فاجأب بالجواز إذا تعهدها صاحبها بما تحتاج إليه كالبهيمة تربط (الشربینی، محمد خطیب شمس الدین، الاقناع، دار الکتب العلمیہ، ۲/۲۰۲) فتح الباری میں ابن حجر یا ابا عمیر ما فعل النغیر حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں: فيه جواز تكنية من لم يولد لهوجواز لعب الصغير بالطير وجواز ترك الابوين ولدهما الصغير يلعب بما ابيح اللعب به وجواز انفاق المال فيما يتلهي به الصغير من المباحات وجواز امساك الطير فى القفص ونحوه (عسقلانی، ابن حجر، علی ابوالفضل احمد بن علی، فتح الباری، دار المعرفہ بیروت ۱۳۷۹ھ، ۱۰/۵۸۴) احناف اور مالکیہ کا راجح قول یہ ہے کہ پرندوں کو قید میں بند رکھنا ناجائز ہے، علامہ شامی نے نقل کیا ہے: لا بأس بحبس الطيور والدجاج فى بيته ولكن يعلفها وهو خير من ارسالها فى السكك وفى القنية رامزا حبس بلبلا فى القفص وعلفها لا يجوز (ردالمحتار ۶/۴۰۱) شرح الکبیر میں ہے: حرم علي المكلف اصطياد ماكول من طير او غيره لا بنية الذكاة بل بلا نية شيء او نية حبسه اى بقفص ولو لذكر الله او لسماع صوته كدرة وقمرى او الفرجة عليه. (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، دارالفکر، ۲/۱۰۸)

اس سلسلے میں جواز و عدم جواز کی وجوہات پر بھی غور کرنا ضروری ہے جو حضرات فقہاء اس کو جائز کہتے ہیں انہوں نے انسانی مصالح کی رعایت کی ہے کہ جانور کی تخلیق انسانی نفع کے لئے ہے اور پرندوں کی آواز اور رنگ سے فائدہ اٹھانا انسانی نفع ہے، اس لئے جائز ہے اور جو حضرات ناجائز کہتے ہیں انہوں نے حیوانات کے مصلحت کی رعایت کی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کو آزاد پیدا کیا ہے، قید اس کے حق میں بھی ایک قسم کا عذاب ہے اس لئے اس کی آواز اور رنگ سے لطف اندوز ہونے کے لئے اس کو قید کرنا درست نہیں ہے، اور یہ کوئی ایسی انسانی مصلحت نہیں ہے جس کے لئے حیوان کو عذاب دینا جائز ہو۔

لیکن آج کل اس سلسلے میں بہت زیادہ عموم پایا جا رہا ہے اس لئے اقوال فقہاء اور اس کے اسباب و علل کا تحقیقی جائزہ لینے کی ضرورت ہے، گھروں میں پرندوں کو قید کرنے کے ساتھ ساتھ ہر بڑے شہر میں بھی چڑیا گھر موجود ہیں جہاں لوگ ان جانوروں کو دیکھنے اور اس کی آواز، رنگ سے تمتع حاصل کرنے جاتے ہیں، اس سلسلے میں اگر غور کیا جائے تو اگرچہ فقہائے احناف نے کراہت اور عدم جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن ائمہ مذہب سے اس سلسلے میں کوئی صراحت نہیں ملتی ہے، احادیث میں غور کرنے سے جواز کا پہلو ہی راجح معلوم ہوتا ہے، ایک حدیث حضرت انس کی ہے: یا ابا عمیر ما فعل النغیر جس کے متعلق ابن حجر کا قول پہلے نقل کیا گیا ہے کہ اس سے پرندوں کو پنجرے میں رکھنے کا بھی جواز معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت کو اس لئے عذاب دیا گیا کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا اور کھانا نہیں دیا تھا جس کی وجہ سے اس کی موت ہوئی تھی (صحیح مسلم، باب فی تحریم تعذیب الہرۃ، حدیث

نمبر:۲۲۴۲) یہاں اس عورت کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے بلی کو کھانا نہیں دیا تھا اس کا قصور یہ نہیں بتایا گیا کہ اس نے کیوں بلی کو قید کیا تھا، اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے جانور کو بلا وجہ تکلیف دینا منع ہے، لیکن انسانی نفع کے لئے جانور کو تکلیف دینا درست ہے، جانور کے گوشت کے لئے اس کو قتل کرنا اور دودھ حاصل کرنے کے لئے قید کر کے رکھنا یہ بھی ایک قسم کی تکلیف ہے، لیکن انسانی مصالح کے لئے یہ درست ہے اس لئے انسانی مصالح یعنی پرندوں کی آواز، اس کے رنگ سے دل لگی حاصل کرنے کے لئے اس کو قید میں رکھنے کی اجازت ہونی چاہئے، تاہم اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مکمل کھانے، پینے اور دوا علاج کا انتظام کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے، ہاں احتیاط اور جانور کی آزادی کا تحفظ اسی میں ہے کہ پرندوں کو پنجروں میں بند نہ کیا جائے، اکابر دیوبند میں حضرت گنگوہی نے پرندوں کو پنجرے میں بند کرنے کو جائز قرار دیا ہے (رشید احمد گنگوہی، باقیات فتاویٰ رشیدیہ، الٰہی بخش اکیڈمی، مظفر نگر، ص:۳۸۷) مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے لکھا ہے پرندوں کو قید کر کے رکھنا مناسب نہیں ہے۔

(بقیہ ص:۲۴ رکا).....

جن میں خیالات کی پاکیزگی برقرار رہتی ہے۔ نمونہ کلام حاضر ہے

رحمت کی التجا تھی خدا سے خطاب کے بعد
آنسو نکل پڑے مرے حرفِ دعا کے بعد
جان دے کر بھی نہیں چھٹکارا
ہائے کیا رسم سزا ہے اس کی

بنگال کے جن شاعروں نے قومی و بین الاقوامی سطح پر شعر و ادب میں اہم مقام حاصل کیا ہے ان میں ایک اہم نام قیصر شمیم کا بھی ہے۔ انہوں نے بنگال کے اردو ادب پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور اب بھی ان کا قلم رواں ہے۔ انہوں نے اردو شعر و ادب خصوصاً بنگال میں اردو شاعری کی روایت کو اپنا خونِ جگر دیا اور اسے استحکام بخشا ہے۔

فضا ابن فیضی

غزل

ہاتھ پھیلاؤ تو سورج بھی سیاہی دے گا
کون اس دور میں سچوں کی گواہی دے گا

سوز احساس بہت ہے اسے کم تر مت جان
یہی شعلہ تجھے بالیدہ نگاہی دے گا

یوں تو ہر شخص یہ کہتا ہے کھرا سونا ہوں
کون کس روپ میں ہے وقت بتا ہی دے گا

ہوں پر امید کہ سب آستیں رکھتے ہیں یہاں
کوئی خنجر تو مری پیاس بجھا ہی دے گا

شب گزیدہ کو ترے اس کی خبر ہی کب تھی
دن جو آئے گا غم لا متناہی دے گا

آئنہ صاف دل اتنا بھی نہیں اب کہ تمہیں
اصل چہرے کے خط و خال دکھا ہی دے گا

تیرے ہاتھوں کا قلم ہے جو عصائے درویش
یہی اک دن تجھے خورشید کلاہی دے

جھانگیر قیاسؔ ایم۔اے۔عثمانیہ۔حیدرآباد

سنجیدگی سے سلامتی تک

سلامتی کا راستہ سنجیدگی سے ہوکر گزرتا ہے۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو جلد بازی، اشتعال یا خودنمائی اور غصّہ کی حالت میں درست ہو۔ جتنے بھی اچھے کام ہوتے ہیں وہ تمام کے تمام سنجیدگی سے عمل پیرا ہونے پر ہی سلامتی تک پہنچ پاتے ہیں۔ جنگ اور جھگڑے غصّہ کی تسکین کے لئے کئے جاتے ہیں۔ مسائل کا حل تو آخر کار صرف اور صرف سنجیدگی سے سر جوڑ کر بیٹھنے اور آپسی مشورہ احترام اور انسانی جذبات کا پاس و لحاظ رکھ کر ہی نکالا جاتا ہے۔

دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں یا ایسے ملکوں کی ہو گھریلو جھگڑے ہوں ان تمام معاملات کو سلجھانے کیلئے سنجیدگی ضروری ہے۔ آدمی کو سنجیدہ ہونے کیلئے وقت درکار ہوتا ہے۔ حالت اشتعال میں لوگ پولیس سے رجوع ہوتے ہیں اس کے بعد معاملات عدلیہ کے حوالے ہو جاتے ہیں اور عدلیہ میں کافی وقت گذارنے کے بعد دونوں فریقوں میں سنجیدگی آجاتی ہے اور اکثریت لوک عدالت (Lok Adalat) میں آپسی رضامندی (Compromise) ہو جاتے ہیں۔ جب ان چیزوں پر غور کیا جائے تو حاصل یہ ہے کہ وقت اور سنجیدگی کا اس میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ ؎

وقت احساس سکھا دیتا ہے جینے کا قیاسؔ
وقت بھی چاہیئے احساس مگر ہونے تک

آپ ﷺ نے فرمایا جب غصّہ آئے تو بیٹھ جاؤ پانی پیو، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ اس کا مطلب اس شخص میں سنجیدگی آجائے۔

اب میں آپ لوگوں کے سامنے اسی تناظر میں تین ایسے واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں جس کا فیصلہ سنجیدگی سے کیا گیا تھا اور وہ واقعی سلامتی تک پہنچنے کے حامل ہوئے۔

پہلا واقعہ: میں نائیٹ ڈیوٹی پر تھا اور گرما کا موسم تھا۔ گاڑی روک کر ٹھہرنے پر مچھروں کی پریشانی تھی اس لئے دھیرے دھیرے گشت کرنے کو ترجیح دی۔ معمول سے زیادہ گشت کرتے چلے گئے، میں نے ڈرائیور سے ایک ہمہ منزلہ زیر تعمیر عمارت کے سامنے گاڑی رکوادی۔ کیونکہ مجھ کو اس زیر تعمیر عمارت کی پہلی منزل پر پلاسٹک کے پردے لگا کر کچھ لوگوں کے رہنے کا احساس ہوا۔ میں نے سونچا بلڈر سے کچھ ان بن ہوگئی ہوگی اور اسی گڑبڑ کے احساس میں میں نے گراؤنڈ فلور پر بیٹھے ایک بوڑھے آدمی سے پوچھا کہ پہلی منزل پر کون لوگ ہیں جبکہ ابھی دیواریں بھی آدھی تعمیر ہوئیں ہیں۔ بوڑھے آدمی نے کہا مالک کے دوست ہیں یہاں آکر دو دن ہوا۔ میں نے نئے آدمی کو بُلا بھیجا۔ جب بوڑھا نیچے اترا تو اس کے ساتھ ایک معتبر آدمی بھی تھا، اُس نے سلام کرنے میں پہل کی، ویسے لوگ پولیس کو بغیر مقصد کے سلام بھی نہیں کرتے۔

آنے والے نے اپنا نام بتایا کہ میرا نام بابو ہے لوگ یہی نام سے جانتے ہیں۔ میرا گھر سامنے کی گلی میں تھا مکاندار صاحب نے اُن کے رشتہ دار کی آمد کی خبر دی اور جلد از جلد مکان خالی کرنے پر اصرار کرنے لگے۔ مگر اتنی جلدی تو پسند کا مکان مشکل سے ملتا ہے اور مکان بدلنے سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں، بچوں کا اسکول بدل جاتا ہے، گھر کی

نوکرانی بدل جاتی، کرانہ شاپ جو اُدھار بھی دیتا ہے اور ہر آنے والے رشتہ دار اور دوست احباب کو pilating رہنمائی کرنا وغیرہ وغیرہ مسائل کا انبار لگ جاتا مثلاً آنے والے پوسٹ کا اڈریس تبدیل کرنا، نئے محلے والوں کے مزاج سے واقف ہونا پھر میرے بچوں کے ساتھ کھیلنے والے دوست بدل جاتے، میں نے سونچا سامنے یہ Complex بن رہا ہے اُس کے مالک سے بات کیا کہ صاحب آپ کی عمارت کی اسٹیل اور تمام چیزوں کی نگرانی کرونگا اگر آپ عمارت بننے تک مجھے اس زیرِ تعمیر میں رہائش کی اجازت دیں تو مہربانی ہوگی۔ انہوں نے سوچا لیبر پر بھروسہ کرنے کے بجائے ایک معتبر آدمی زیادہ بہتر ہے۔ بغیر اُجرت کے چند دن گزرنے کے بعد میرا مکاندار میرے پاس آیا اور بڑی عاجزی کے ساتھ کہنے لگا آپ یہاں رہنے لگے ہیں تو لوگ مجھے بُرا بھلا کہہ رہے ہیں کہ اتنے سفا کی سے کرائے دار کو خالی کروادیئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کرایہ دار کوئی مرتبہ بولنے اور جھگڑے کی نوبت آنے تک خالی نہیں کرتے، میں آپ کو راج کے مطابق بول دیا مگر آپ اتنے سنجیدہ انسان ہو مجھے اس کا علم نہ تھا۔ چلئے میرے گھر میں پھر کرائے سے رہیے اور جب تک میں زندہ ہوں آپ میرے گھر میں سے نہیں جائیں گے۔ مجھے آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ مکاندار کی بات سن کر میں فوراً کہہ اُٹھا کہ اس کا سہرا تو میری گھر والی کو جاتا ہے وہ اتنی فرمانبردار ہے، میں جو بھی کام کرتا ہوں، کیوں کب کیسا کہاں پوچھتی ہی نہیں ایک کسان کے پیچھے چلنے والی گائے کی طرح ساتھ دیتی ہے۔ اصل میں وہ صبر والی عورت ہے اسی لئے میں اپنے ہر مسئلہ کو آسانی سے عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوتا ہوں۔ اگر کوئی دوسری عورت ہوتی اور اسے یہ زیرِ تعمیر عمارت میں اس پلاسٹک کے پردے باندھ کر رہنے کے سوال پر ہی سوالوں کے تیر مار مار کر ارادوں کو زخمی کر دیتی۔ مگر میں بہت قسمت والا ہوں مجھے فرمانبردار بیوی ملی ۔ یہ سن کر مکاندار صاحب نے کہا آپ کی بیوی سے میری بیوی کو بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اس طرح ہم سابقہ گھر چلے گئے۔ واقعی ایک کامیاب مرد کے پیچھے کامیاب عورت کا ساتھ ہوتا ہے۔

دوسرا واقعہ: ساس بہو کے جھگڑے کا ایک پٹیشن (Pitition) آیا۔ میں نے دونوں کو Counselliing کی اپنے طور پر سے سمجھانے کی کوشش کی مگر معاملہ نہیں جما۔ اس کے بعد لڑکی کے والد نے کہا صاحب اس کو میں خود حل کرتا ہوں کہہ کر چلے گئے۔ نماز میں اکثر مسجد میں ملاقات ہوتی تھی۔ میں بھی پوچھ لیا کرتا تھا کہ بچی سسرال میں کیسی ہے اُنہوں نے کہا میں اپنی لڑکی کو اپنے گھر لا لیا ہوں۔ میں نے کہا ایسا کیوں کیا Domestic Violance میں آپ کیس بُک کر سکتے تھے ۔انہوں نے کہا میں بچی کے سسرال کو گیا اور ساس اور نند کے سامنے میری لڑکی کو نہ چاہتے ہوئے بھی مارا، جبکہ میں زندگی میں کبھی بچی کو نہیں مارا تھا، مگر میں شکایتیں سُن سُن کر بدظن ہو گیا تھا اور لڑکی کو اپنے گھر لا لیا اور تمام جہیز اُن کے گھر رکھ دیا اور میں نے صمدن سے کہا آپ لوگ سکون سے رہ رہے تھے واقعی میری بچی آپ کے گھر آنے سے بہت جھگڑے ہو رہے ہیں، اسی لئے جہاں کی چیز وہاں ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں نے نوکرانی کو میرے داماد کے گھر مقرر کر دیا تا کہ میری بیٹی کے حصّہ کا کام وہ کرتی رہے اور داماد کو میں نے کہا آپ جب چاہے آسکتے ہیں اور جب چاہے جاسکتے ہیں تا کہ آپ کو تکلیف نہ ہو نہ آپ کے گھر والوں کو۔ وہاں رہو گے تو میری نوکرانی آپ کی اور آپ کے گھر والوں کی خدمت کرلے گی اور اُس کی ماہانہ اُجرت میں دے دیا کرونگا اور میری بچی کا تمام خرچ بھی میں اُٹھالیا کرونگا۔ اس طرح دن گزرتے چلے گئے لوگوں نے بہت مشورے دیئے کہ اُن کے گھر میں اپنی نوکرانی کیوں رکھے، میں نے کہا میری لڑکی کے حصّہ کا کام کرے گی پیسہ گیا تو گیا کوئی بات نہیں شکایت سننا اچھا نہیں لگتا ہم دو وقت کھالینگے میرا داماد خوش رہے گا وہ جب چاہے مرے گھر رہے گا اور جب چاہے ماں باپ

کے ساتھ رہے گا اور لوگوں کو شکایت کا موقعہ تب ملتا اگر میں نوکرانی نہیں رکھتا۔ اب وہ لوگ سکون میں ہیں جہیز بھی اُن کے پاس ہے بیٹا بھی سکون میں ہے اور گھر میں نوکرانی ہے۔ میری بچی کی ساس اور خسر جب بھی بلائینگے جب جاؤ بولے چلے جائیگی۔ اس طرح دن گزرتے گئے اُن کے رشتہ داروں نے ہی اُن پر مخالف فقرے کہنے لگے کہ واقعی لڑکی والے اچھے ہیں چند مہینوں کے بعد ساس کو اور نند کو رشتہ داروں اور محلے والوں کی باتوں کے جواب دینے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ لوگ محلے کے بڑے آدمیوں کو ساتھ لا کر میری لڑکی کو دوبارہ اپنے گھر لے کر چلے گئے۔ اس طرح میں نے سنجیدگی سے فیصلہ کیا اور خدا نے سلامتی عطا کی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا قائل نہیں ہوں پتھر کا جواب پھول سے دینا چاہتا ہوں۔ میں اس آدمی سے بہت متاثر ہوا اور پوچھا آپ کے گھر والوں نے آپ کے اس رویہّ پر اعتراض نہیں کیا۔ تو انھوں نے کہا دراصل میری بیوی بہت غریب گھرانے کی ہے میرے سامنے سوال کرنے کی ہمت نہیں کرتی اس کا کوئی نہیں تھا۔ اس طرح میں اکیلا گھر کا حاکم تھا میری بیوی کے بہت کم رشتہ دار تھے بہت غریب اور وہ اس کو مشورہ دینے کے قابل نہیں تھے۔ گھر آتے کھاتے پیتے اور چلے جاتے۔ ویسے میری بیوی بہت شکر گزار ہے، میں جو بھی کام کرتا ہوں وہ اُس کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ میں کئی مرتبہ کہا کہ آپ ایسا نہ کریں یہ میرا فرض ہے کہ آپ کو کھلاؤں پہناؤں مگر پھر بھی وہ میرے ہر چھوٹے بڑے کام کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ میں کئی مرتبہ اُس کو مذاق میں ''کیا بھائی شکریہ'' کہا کرتا تھا۔ میں نے یہاں پر بھی محسوس کیا کہ ایک نیک خاتوں کا ساتھ انسان کو کامیابی کی طرف گامزن کرتا ہے۔ ایک انسان اگر سنجیدہ بھی ہو اور اس کا ہم سفر اُس کا ساتھ دے تو عملی جامہ پہنانے میں آسانی ہوتی ہے ورنہ اپنی منزل مقصود کو پہنچنا اتنا آسان نہیں ہے۔

تیسرا واقعہ: ایک دن ایسا ہوا کہ ہم لوگ Day Patroling ڈیوٹی پر تھے سامنے ایک مجمع نظر آیا فوراً گاڑی کو اُسی جانب دوڑا دیا ہم جیسے ہی قریب پہنچے وہاں ایک حادثہ ہوا تھا لوگ جمع تھے ہم نے مجمع کو منتشر کر دیا اور حالات کا جائزہ لیا ایک بچہ 8-7 برس کے لگ بھگ عمر ہوگی سر سے اور ہاتھ سے خون جا رہا تھا اور دوسری طرف ایک 30 سالہ شخص کو مجمع پکڑ کر پٹائی کر رہا تھا وہ آدمی اپنے بچاؤ کے لئے سامنے ٹھہرے ہوئے آٹو کے اندر گھس گیا تھا اور ایک آدمی کہہ رہا تھا ارے مت مارو یہ میرا بھائی ہے۔ خیر پولیس کی آمد کے ساتھ ہی تمام پراکٹیس Practice کرنے والے fighter ایک دم سے رُک گئے تب آٹو میں پناہ لیا شخص باہر آیا اور بولا صاحب بچہ گھر میں سے ایکدم باہر بھاگ کر آیا میں نے بہت کوشش کی مگر حادثہ ہو گیا دوسرا شخص بول رہا تھا قصور میرے بچے کا ہی ہے اُس کو اسطرح سڑک پر بھاگ کر نہیں آنا چاہیئے تھا۔ تو ایک شخص مجمع میں سے کہنے لگا یہاں اسپیڈ بریکر بنانا چاہیئے لوگ بہت تیز گاڑی بھگا رہے ہیں، تو وہ شخص بولا ارے بھائی غلطی میرے بچے کی ہے وہ بیچارا گاڑی والا 15 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے بہت دھیمی رفتار سے آ رہا تھا میں خود پڑوس کی دکان کے پاس ٹھہرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ایک نے کہا نہیں چاچا آپ کو نہیں معلوم اس سے پہلے بھی یہاں اور حادثے ہو چکے ہیں یہاں پر تو دو تین اسپیڈ بریکر بنانا چاہیئے۔ ارے بابا کیسی باتیں کر رہے ہو ''دھول چہرے پر ہے اور آئینہ صاف کر رہے ہو'' غلطی ہمارے بچوں کی ہے سڑک پر دیکھ سمجھ کر جانا ہے۔

خیر میں نے سب کو خاموش کراتے ہوئے زخمی بچے کو دواخانے لیجانے کے لئے کہا اور بچے کے والد سے شکایت کی درخواست لکھنے کو کہا تو اُنہوں نے کہا میں کوئی شکایت کرنے والا نہیں ہوں، غلطی میرے بچے کی ہے یہ بات سن کر ٹکر مارنے والا اور

مجمع کے تمام لوگ تعجب کا اظہار کرنے لگے تو اُنہوں نے کہا ٹکر مارنے والا میرا بھائی ہے اور ٹکر کھانے والا میرا لڑکا ہے۔ آپ لوگ مجمع نہ کریں چلے جائیں۔ میں نے بھی ایسا حادثہ پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ بالآخر دواخانے جانے کے بعد مرہم پٹی کرنے کے بعد میں نے تفصیل سے بات کی ٹکر مارنے والا اُن کا بھائی نہیں تھا مگر ٹکر کھانے والا اُن کا اپنا حقیقی بیٹا ہے۔ میں نے ایک پولیس کا آدمی ہونے کی وجہ سے پوچھا چاچا آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں تب انھوں نے کہا بھائی آپ ذرا سنجیدگی سے غور کریں دونوں بھائی گھر کے اندر کھیل میں ایک دوسرے کو مارنے کی کوشش کر رہے تھے اور مار سے بچنے کیلئے لڑکا یکدم باہر کی جانب بھاگا اب اس بیچارے کا کیا قصور میں بھی ہوتا تو گاڑی کنٹرول نہیں کرسکتا تھا۔ لڑنا مارنا آسان ہے مگر ذرا سنجیدگی سے سوچیے کبھی آپ بھی ٹکر مارنے والوں میں آسکتے ہیں تب مجمع آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے، سب لوگوں نے کہا واقعی آپ بہت صبر والے ہیں۔ اُس کے بعد میں اُن صاحب سے ایک ہفتہ بعد ملا۔ وہ بہت صبر والا شخص تھا اپنے بچے کو ٹکر لگنے کے باوجود بھی صبر کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کیا چاچا خیریت ہے۔ انہوں نے کہا ہاں خدا کا شکر ہے اچھے ہیں، ٹکر مارنے والے کے بھائی کے اسکول میں میرا بچہ پڑھتا ہے اُنہوں نے اپنے بڑے بھائی کو واقعہ سنایا وہ بھی بہت تعجب کیئے۔ انہوں نے میرے لڑکے کی دسویں جماعت کامیاب ہونے تک فیس معاف کردی اور کتابیں بھی مُفت دینے کا وعدہ کیا اور ایک دو مرتبہ میرے گھر کو تحائف وغیرہ بھی بھجوائے بڑے اچھے لوگ ہیں۔ میں نے صبر کیا خدا نے اُس کا پھل دے دیا۔ پھر میرے ذہن میں ایک بات آئی کہ واقعی سنجیدگی سے سلامتی کا راستہ بالکل سچ ہے۔ اگر سنجیدگی اور صبر سے کام لو تو سلامتی آپ کے پاس آئیگی۔

عشرت شاہجہانپوری اتر پردیش

غزل

محفل میں اپنی ذات کا نغمہ کہوں جسے
کوئی تو ہو یقین سے اپنا کہوں جسے

ویران میکدے کا ہے بے کیف سا نظام
آنکھوں سے کچھ پلاؤ کہ نشّہ کہوں جسے

یادوں کے ریگزار میں دھستے ہوئے قدم
سینے میں دل ہے یاد کا صحرا کہوں جسے

لینا ہے عمر بھر کو اسی تشنگی سے کام
دریا سے کیا غرض ہے کہ دریا کہوں جسے

پھرتے ہیں کتنی شان سے وعدہ خلاف لوگ
ملتا نہیں ہے بات کا پکّا کہوں جسے

حسن و جمال والے تو سارے ہیں بدمزاج
ان میں تو کوئی بھی نہیں اچھا کہوں جسے

عشرت خدا تو پوچھے گا محشر میں یہ سوال
ٹھوکر ہو سر کی ایک تو، سجدہ کہوں جسے

عبدالحلیم انصاری (محمد حلیم) شعبۂ اردو، رانی گنج گرلس کالج (مغربی بنگال)

قیصرؔ شمیم کا رنگِ تغزل

شیرینی گفتار اسی سے ہے اے قیصرؔ
اردو جسے کہتے ہیں وہی میری زباں ہے

قیصرؔ شمیم کا اصل نام عبدالقیوم خان ہے۔ انکی پیدائش ۱۹۳۶ء میں ہگلی کے انگس میں ہوئی۔ ابتداء میں انہوں نے عمیدؔ انگسی کے نام سے افسانے اور غزلیں کہیں مگر بعد میں قیصرؔ شمیم کا قلمی نام اختیار کیا۔ ان کا قیام ہوڑہ میں ہے۔ انہوں نے ایم اے تک تعلیم حاصل کی اور درس و تدریس جیسے مقدس پیشے سے وابستہ رہے۔ انہوں نے شروع میں افسانے بھی لکھے اور شمسؔ صابری کے افسانوی مجموعے ''دھند اور کرن'' کو ترتیب بھی دیا۔ لہذا، وہ افسانوں کے میدان میں بھی جانے جاتے ہیں لیکن ان کا اصل میدان شاعری ہے۔ شاعری ہی قیصرؔ صاحب کی زندگی کا جز ہے فطرت نے انہیں اسی سانچے میں ڈھالا ہے۔

انہوں نے شاعری میں شمس مظفر پوری، عباس علی خان بیخود اور پرویز شاہدی سے اصلاح لی۔ ان کی غزلیں اور نظمیں ملک کے معیاری رسائل و جرائد میں تواتر سے شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان کا شعری اثاثہ غزلوں پر مشتمل ہے ''ساعتوں کا سمندر''، ''پہاڑ کاٹتے ہوئے'' اور ''سانس کی دھار'' ان کے شعری سرمائے ہیں۔

وہ بنگال میں جدیدیت کے ان نمائندہ شاعروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے بنگال کی شعری فضا میں اپنی انفرادیت کا رنگ بکھیرا۔ انہوں نے جدیدیت کا غلغلہ بھی دیکھا ہے اور مابعد جدیدیت کی اٹھان بھی لیکن انہوں نے شاعری کی روایتی رنگ کو برقرار رکھتے ہوئے جدت پسندی کا مظاہرہ کیا۔ انکے یہاں حوصلہ اور زندگی کی سنگلاخ زمین پر چلنے کا ہنر ہے۔ فرد کی داخلی وارداتوں اور معاشرے کا کرب، اس کے انتشار اور اقدار کی شکست و ریخت انکے کلام میں نمایاں ہیں۔ نمونے کے طور پر چند اشعار پیش خدمت ہے۔

ہمارے جسموں کو موجیں نگل گئیں قیصرؔ
کہ ساعتوں کا سمندر بڑے جلال میں تھا

نگل رہی ہے یہاں ریت دم بہ دم ہم کو
یہ ریگ زار خطر کہاں کا ہے

کھلے دریچے کے باہر ہے کون سا موسم
کہ آگ بھرنے لگی سرد لہر آنکھوں میں

چھوٹے نہ کبھی پھولوں کی نگر کوشش تو یہی ہے اپنی مگر
اک روز اڑا لے جائیگی پتوں کی طرح بے درد ہوا

قیصرؔ صاحب جدّت پسند ہونے کے ساتھ ساتھ غزل کے سچے مزاج داں اور اس کے کلاسیکی آہنگ کے نباض بھی ہیں۔ وہ ایک حساس دل اور نازک احساسات رکھنے والے شاعر ہیں جو اپنی بات کہنے کا سلیقہ بخوبی جانتے ہیں۔ زندگی کے سنگین مسائل اور کڑوی سچائیوں کو بھی وہ اشعار میں بحسن وخوبی پرو دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی انکے اشعار میں حسن و عشق کے معاملات بھی پیش ہوئے ہیں مگر جدتِ اسلوب کے ساتھ۔ عشق کے موضوع پر ان کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں جن میں انہوں نے بڑی سادگی سے رومانی افسردگی، وصل و فراق، محبوب کے ظلم و ستم اور اس کے سراپا کو بیان کیا ہے۔

کیا کیا نہ وہم آئے ڈرانے شب فراق
آیا نہ فرق پھر بھی ترے اعتبار میں

میرے اشکوں کی خبر ہے اس کو
وہ بھی چھپ کر کہیں روتا ہوگا

زخم پر ان کو نمک پاشی کی عادت
اک یہی انعام دینا ،کام ان کا

بجھ جاؤں گا شمع کی مانند کسی دن
تابندہ مگر تیرے خیالوں میں رہوں گا

سرو لا،سنبل و صنوبر لا
میرے محبوب جیسا پیکر لا

قیصؔر صاحب اپنی جمال پرستی،سراپا نگاری اور رومانیت کے باوجود انسان کے بیکراں غم کی جس انداز سے تفسیر بیان کرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔وہ سماجی ناہمواری،اور داخلی کیفیات پر ہر وقت مضطرب رہتے ہیں اور اس اضطراب کو فن میں ڈھال کر اشعار کی شکل میں پیش کرتے ہیں تو ان کا اسلوب و لہجہ منفرد اور انکی شاعری اپنے عہد کے انسانوں کے داخلی و خارجی کیفیتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔بطور نمونہ چند اشعار دیکھیں۔

آدمی بنتے گئے پتھر کے
تیری دنیا کا تماشا دیکھا

آج ہیں سب کے سب بے حال
آج کسی کا حال نہ پوچھ

ہر خواب جو ٹوٹا ہے،نشتر سا جگر میں ہے
اب نام سے بھی سکھ کے،دکھیارے لرزتے ہیں

کب ان کو دیکھیں گے اونچی حویلیوں والے
جو اپنے سر کے لئے سائباں بنا نہ سکے

انکی شاعری جدید دور کے معاشرے اور انسانی زندگی کا آئینہ ہے۔جدید دور کے مسائل اور مزدوروں کی بدحالی وغیرہ ان کی غزلوں کے خاص موضوعات ہیں۔انہوں نے متوسط طبقے کی خوشی وغم،ان کے روزمرّہ کے مسائل کی ترجمانی، سرمایہ داری کے ظلم،اور محنت کشوں کے استحصال،ان کی محرومی اور دیگر مسائل بھری زندگی کی عکاسی بھی بڑی سچائی اور ہنرمندی سے کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ محنت کش مزدوروں اور استحصال زدہ لوگوں کو ان سرمایہ درانہ نظام کے طلسم کو توڑنے اور ان کے ظلم وتشدد کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی بھی تلقین سے بھی نہیں چوکتے۔مثلاً یہ اشعار دیکھیں۔

اپنا کنواں ہے،اپنا پانی پھر کیوں پیاس ہو قسمت میں
اپنے حق سے ہاتھ نہ کھینچو،کس کو خبر ہے کل کیا ہو

چیخو کے موسم میں قیصؔر چپ جو رہے وہ مجرم ہے
منہ تو کھولو کچھ تو بولو کس کو خبر کل کیا ہو

کبھی خطرہ رہزنوں کا کبھی خوف رہبروں کا
کہیں عمر کٹ نہ جائے اسی طرح بزدلی میں

کون کہتا ہے نہیں زیست میں کچھ غم کے سوا
حوصلے کی بھی کوئی بات نکالو لوگو

ان اشعار سے قیصؔر شمیم کا لہجہ اور اسلوب جھانکتا ہے۔ان میں لہجے کا تیکھا پن اور احساس کی شدّت نمایاں ہے ۔انکی غزلوں میں فکر کی گہرائی اور سماجی خصوصیتوں کا گہرا ادراک بھی ہے ۔وہ دھیمے اور پر سوز لہجے میں اپنی کیفیات اور احساسات کو بیان کرتے ہیں ان کے اشعار میں ان کا عہد پوری طرح سے نمایاں ہے۔ہنگامی موضوعات کو بھی الفاظوں کا جامہ پہنا کر شعر کے سانچے میں ڈھالنے کے فن میں قیصؔر صاحب ید طولیٰ رکھتے ہیں۔نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

شاخ جھلسی ہوئی تھی اور اس پر
ایک سہما ہوا پرندہ تھا

صبح کو گھر سے تو نکلے ہو مگر شام کے بعد
اپنے دروازے پر پہنچو گے تو گھبراؤ گے

درد میں ڈوبے ہوئے آج بھی منظر ہیں وہی

وقت بدلا ہے کہاں وقت کے تیور ہیں وہی

وہ موجودہ دور کی بے امانی اور انتشار سے نالاں ہیں اور جدید انسان کے کرب کا گہرا ادراک رکھتے ہیں گویا کہ ان کی شاعری میں انسان کی زندگی کے تمام رنگ نمایاں ہیں۔علاوہ ازیں قیصؔر صاحب کے کلام میں ان کا اضطراب بھی بولتا ہے ۔ان کے کلام میں عصری شعور اور گرد و پیش کے احوال سے با خبری کے ساتھ ان کے دلی جذبات کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔وہ اپنے خیالات و جذبات کو ندرت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔مثلاً یہ اشعار دیکھیں۔

ہم جس طرف چلے ہمیں پر چھائیاں ملیں
یعنی ہجوم شہر میں تنہائیاں ملیں
ہر نئی صبح نئے زخم عطا کرتی ہے
سر گذشت ایسی ہو اپنی تو بیاں کیوں کر ہو
میری عمر رواں کا حاصل آگ ہے میرے سینے کی
دیکھ میرے احساس کا دامن ساعت ساعت جلتا ہے
سرمایہ حیات ہمارا یہی تو ہے
میراث میں یہ کثرت آلام کون لے
احترام غم ایام ہی کرتے گذری
زندگی یوں سحر و شام کرتے گذری

ان اشعار سے نہ صرف ان کے دلی جذبات کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ ان کا یہ ذاتی غم کائناتی غم معلوم ہوتا ہے جیسے کہ انہوں نے اپنی آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا ہو۔انہوں نے اپنی شاعری کے موضوعات براہ راست زندگی سے بھی اخذ کئے ہیں۔مفلسی، بیکاری، بڑھتی ہوئی سرمایہ درانہ نظام کے ظلم و تشدد، ایمرجنسی اور فرقہ ورانہ فساد کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ان کے اندر اضطرابی بے چینی پیدا کرتا ہے اور وہ اس درد کو اپنے اشعار میں سمونے کی کوشش کرنے میں منہمک ہوجاتے ہیں۔اپنے شعری مجموعہ ''سانس کی دھار'' میں وہ خود لکھتے ہیں:

''مجھے اعتراف ہے کہ میری شاعری نہ میری ذات سے کبھی جدا رہی ہے، نہ میری حیات سے، نہ معاشرے سے، نہ کائنات سے۔گذشتہ چالیس پینتالیس سال کے دوران میرے ذہن و دل کو ہوائے وقت کی مسرت انگیز لہریں کم اور ایذاں رساں تھپیڑے زیادہ متاثر کرتے رہے ہیں۔چنانچہ اس مدت میں قدم قدم پر میں نے جو کچھ محسوس کیا، اسے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اپنی شاعری میں سمونے کی کوشش کی ہے۔''

ان کے اندر ایک فلسفی سانس لیتا ہے اور ایک مفکر کی زندگی راز ہائے کائنات کی گرہیں کھولنے میں منہمک رہتا ہے ۔قیصؔر شمیم صاحب کے یہاں فلسفیانہ گہرائی و گیرائی بدرجہ اتم موجود ہے۔وہ زندگی اور اس کے دیگر مسائل پر بڑے مفکرانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں اور قدرت کی بنائی ہوئی ہر شئے کو الگ نگاہ اور زاویہ سے دیکھتے ہیں اور جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے اسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کردیتے ہیں۔وہ دنیا اور اس کی ناپائیداری کا فلسفہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

ہم مسافر ہیں، مسافر ہیں سبھی دنیا میں
راہ میں اپنے پرائے نہ نکالو لوگو
مشکل ہے بہت دوستوں، دنیا کا سمجھنا
ظاہر میں یہ شبنم ہے تو باطن میں دھواں ہے

ان کی شاعری میں سماجی شعور کی، داخلی و خارجی احساسات و کیفیات کا اظہار اور رومان کے نرم و نازک جذبات کے ساتھ ساتھ تصوف کے رموز و حقائق، خلاق و روحانیت، حیات و کائنات، سنت و شریعت اور فنا و بقاء کے مسائل بھی بیان ہوئے ہیں (بقیہ ص:۱۷ پر)

(آخری قسط)

علیم صبا نویدی۔چنئی

تامل ناڈو کے عربی مدارس کی اردو خدمات

مدرسہ جمالیہ کی بنیاد ۱۹۰۰ میں رکھی گئی۔اس مدرسہ کا مقصد صرف عربی زبان کی اشاعت، اسلامی جاہ وجلال اور دینی شان وشوکت کو برقرار رکھنا ہے۔جبکہ اس دور میں شہرِ مدراس میں اسلامی تہذیب وتمدن کا مبارک اثاثہ دیمک زدہ ہوجارہا تھا۔ اکتسابِ علوم وفنون کا سلسلہ دم توڑ رہا تھا اور علمائے دین کا دور قریب قریب ختم ہوتا جارہا تھا۔ایسے دور میں ابتلا میں ایک تاجرِ چرم، جمال محمد (المتوفی ۱۹۲۴ء) نے دینِ اسلام کے پرچم کو بڑی خوبی سے لہرایا اور مدرسہ جمالیہ کے نام کا بیج بویا جو آج ایک سدابہار درخت کی شکل میں اختیار کرچکا ہے۔موصوف نے اس مدرسہ کے طلباء کے لیے ایک عبادت گاہ بھی تعمیر کروائی جو آج بھی موصوف کی یاد تازہ کرتی ہے۔اس کالج کے پہلے پرنسپال مولانا مدار صاحب (المتوفی ۱۹۲۵ء) مقرر ہوئے۔ جمال محی الدین کی وفات کے بعد آپ کے فرزند جمال محمد نے اس مدرسہ کی آب وتاب کو اور بڑھاوادے کر اپنی علمی شناسی اور خداشناسی سے گہری وابستگی کا ثبوت فراہم کیا۔موصوف نے ڈاکٹر عبدالحق کرنولی اور حامد حسن سیٹھ کی معیت میں ہندوستان کے بہترین مقررین مثلاً مرسیڈیوک پکھتال (جس نے قرآن کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا تھا) مولانا راشد الخیری اور سید سلیمان ندوی وغیرہم کو مدارس آنے کی دعوت دی۔مولانا سید سلیمان ندوی آپ کی دعوت پر مدارس آئے تھے اور آپ نے اردو زبان میں چھ خطبات سرورِ کونین، شہنشاہ امم، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پرنور زندگی اور سیرت پر دیئے جو ''خطباتِ مدارس'' کے نام سے منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔

جمال محمد صاحب نے علامہ سید سلیمان ندوی کے قیام کے دوران علامہ سے مؤدبانہ گزارش کی کہ وہ دین کی اشاعت کی خاطر اس مدرسہ کے صدارتی منصب کو قبول فرمائیں۔علامہ نے بعض وجوہات کی بناء پر معذرت چاہ لی اور شمالی ہند واپس ہوکر اپنے ایک شاگردِ خاص مولانا مولوی ابوالجلال ندوی (المتوفی ۱۹۸۵ء بمقام کراچی) کو مدراس بھیج دیا۔آپ بڑے نیک طینت، یکتائے علم وفن اور ماہرِ علومِ شرقیہ وعربیہ تھے۔آپ کی ذکاوت وفراست اور شرافت ونجابت بے نظیر تھی۔تقریر وتحریر میں بھرپور دسترس رکھتے تھے۔آپ کے بے شمار تحقیقی وتنقیدی مضامین مدراس کے مختلف رسائل مثلاً مصحف، معیارِ ادب، انشاء، اقبال اور پندرہ روزہ پاکیزہ میں جگہ پاچکے ہیں۔ یہ تمام تر رسائل آج نایاب ہیں۔آپ کے دینی اور علمی خدمات کا اعتراف اہل مدراس نہ کرسکے۔موصوف کا ایک مکتوب راقم الحروف نے دس پندرہ سال پہلے سید سلطان باشا، مالک عذرا پرنٹرس، مدراس کے نام دیکھا تھا۔اس خط سے ظاہر ہوتا کہ آپ کے بہترین مضامین کا ایک مسودہ جامعہ دارالسلام کے بانی کا کا عمر مرحوم کی تحویل میں تھا۔ پتہ نہیں آج وہ کہاں ہے؟ اور کس حالت میں ہے؟ بحیثیت مجموعی مولانا کی دینی وادبی اور علمی خدمات کا اعتراف نہ کرنا کفرانِ نعمت کے مترادف ہے۔مولانا کی لکھی ہوئی قرآن کی تفسیر ''کتاب الہدیٰ'' یعقوب (۱) حسن سیٹھ (بردارِ حامد حسن سیٹھؒ) کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے۔ یعقوب حسن سیٹھ شہرِ مدراس کے مشہور ومعروف سیاست دان تھے۔آج تک ہم نے سیاست دانوں کو مال ودولت لوٹتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے۔لیکن علمی خزائن پر اپنا نام چسپاں کرنے والوں میں یعقوب حسن سیٹھ کا نام روشن دیکھ کر تعجب وہا۔ خدا سلامت رکھے مولانا

ندوی کی وسیع القلبی کی اس مثال کو۔

غالباً ۱۹۳۰ء میں جمال محمد صاحب نے علامہ اقبال کو اردو زبان میں ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلام'' پر لکچر دینے دعوت دی۔ علامہ اقبال مدارس تشریف لے آئے اور آپ کے ہم سفر عبدالرحمٰن چغتائی بھی تھے۔ علامہ اقبال کے خطبات نے مدارس کی ساکت وجامد فضاء میں ایک خوشگوار اثر چھوڑا جس سے ایک حد تک مسلمانوں کے دل ودماغ میں لمحاتی طور پر تروتازگی ضرور آئی۔

مدرسہ جمالیہ کا ذریعہ تعلیم ابتداہی سے عربی رہا ہے اور اکثر وبیشتر طلباء جو یہاں داخلہ لیتے ان کی مادری زبان اردو نہیں ہوا کرتی تھی البتہ اس مدرسہ کے اساتذہ میں جو چند جید علماء مثلاً مولانا محمد یوسف کوکن عمری (۲) کا تعلق اردو زبان وادب سے بہت گہرا تھا۔ جنہوں نے دورانِ تدریس اردو ادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہے۔ گویا جمالیہ مدرسہ کی سرپرستی میں اردو زبان وادب کا سرسبز وشادات گلستاں بنا رہا۔

مدرسہ محمدی اس مدرسہ کا افتتاح بروز جمعہ بتاریخ ۲۶ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ عمل میں آیا۔ اس مبارک جلسہ میں جنوبی ہند کے مایہ ناز صوفی بزرگ حضرت پیرومرشد قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین سید شاہ برہان الدین حسینی القادری اور ریاست کرناٹک کے رئیسِ اعظم نواب عظیم جاہ محمد منور خان بہادر پرنس آف آرکاٹ کی شرکت نے رونق بڑھائی تھی۔ اس مدرسہ کا بنیادی مقصد نہ صرف ارشاد نبویؐ کی صحیح ترجمانی تھا بلکہ حدیث شریف اور علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کی اشاعت تھا۔ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا کہ مدارس کے کالجوں اور اسکولوں کے ابتدائی دور کے مسلم اساتذہ مدرسہ محمدی کے فیض یاب تھے۔ شہرِ مدارس کا یہ ایک واحد مدرسہ تھا جو مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات سے پاک وصاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شمالی ہند کے جید علماء اور سیاستدان (جن میں مولانا ثناءاللہ پانی پتی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی) نے اس مدرسہ کا احترام کیا ہے۔

اس مدرسہ کا نصابِ تعلیم ملا نظام الدین فرنگی محلی کا ترتیب دیا ہوا تھا۔ جو خالص ہندوستانی درسِ نظامی کا روپ دھارے تھا۔ اس نصابِ نظامی سے اتنا احساس ضرور ہوتا ہے کہ ملا نظام الدین نے جو چراغ فرنگی محل میں روشن کیے تھے ان کی مقدس روشنی مولانا بحرالعلوم کے توسط سے شہر مدارس کے ہر مدرسہ تک پہنچی ہے۔ اس مدرسہ کا ذریعہ تعلیم ابتداہی سے اردو زبان رہا ہے۔ یہاں فارسی، عربی اور اردو کے علاوہ اردو مضمون نگاری اور فنِ تقریر پر بے حد زور دیا جاتا تھا۔

اس مدرسہ کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ یہاں کے طلبہ کو پابندِ شریعت، خوش اخلاق اور نیک سیرت بنایا جائے۔ اسی مقصد کے تحت اس مدرسہ کے احاطے میں ایک مسجد (۱۳۲۶ھ) بھی تعمیر کی گئی۔ جس میں طلباء کو پابندی سے نماز کی ادائیگی کی طرف مائل کیا گیا۔ اور ربیع الاول کے بارہ دن میلاد النبیؐ کی تقاریر، ربیع الآخر میں غوث الاعظم دستگیر کے مواعظِ حسنہ اور سیرت پر تقاریر، ماہ محرم میں دس دن شاموں میں امام حسینؓ اور اہل بیتؓ کے حالات سنائے جاتے ہیں۔ شب برات اور شبِ معراج کی مقدس راتوں میں ان راتوں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تقاریر کا مبارک اور پرنور سلسلہ اردو زبان میں آج بھی جاری ہے۔

اس مدرسہ کا اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ اردو زبان میں ہزاروں کتابیں مدرسہ کے ادارہ دارالاشاعت سے منصۂ شہود پر آئیں۔ اس مدرسہ کا کتب خانہ یقیناً ہندوستان بھر میں مشہور ومعروف ہے۔ یہ نادر اور نایاب کتب خانہ عربی، فارسی اور اردو کی غیر مطبوعہ قلمی مخطوطات اور مطبوعات کا ان مول خزانہ ہے۔ اس مدرسہ کے کتب خانے سے استفادہ کرنے کے بعد علامہ اقبال نے انہیں ''علم کا موتی'' کہا تو مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے یہ تحریر قلم بند کی ہے۔

''مدرسہ محمدی کے کتب خانہ کو دیکھنے کے بعد خوشی حاصل ہوئی اور بعض مخطوطات کے متعلق معلومات ہوئے۔ حقیقت میں یہ ایک نادر کتب خانہ ہے جس کی حفاظت ضروری ہے''۔

پھر پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی کا بیان ہے:

''یہ دنیا کا ایک ان مول کتب خانہ ہے اور بے مثال خزانہ ہے''۔

اس مدرسہ کا محکمہ قضات نہ صرف ہندوستان بلکہ سعودی عرب، مصر اور پاکستان میں بھی خاص اہمیت رکھتا ہے اس محکمہ قضات نے خاندانی جاگیر کے جھگڑوں اور زوجین کے اختلافات کے معاملے بڑی سنجیدگی اور متانت سے حل کر کے مسلم خاندانوں کو اپنی تباہی اور بربادی سے بچایا ہے۔

اس مدرسہ کے بعض متعلقین اور متعلمین اور اساتذہ میں شمس العلماء قاضی عبید اللہ، مولوی صفی الدین ناصر، مولوی غلام محی الدین معجز، قاضی مولانا سید شاہ محمد، مولوی محمد مرتضی، مولوی مفتی محمد، مولانا مولوی قدرت حلیم ناصری، مولانا قاضی حبیب اللہ، مولانا مولوی ابوبکر نظمی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف مدرسہ محمدی میں درس وتدریس سے علوم وفنون کی مہک پھیلائی بلکہ اردو زبان میں مذہبی تصنیفات وتالیفات کے ذریعہ اہم علمی مراتب سے ایک عالم کو روشناس کرایا۔ ان بزرگوں میں سے بعض نے اردو رسم الخط کی تجدید میں بھی اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔

مولانا قاضی سید شاہ محمد کی ''آسان فقہ'' مولانا محمد ناصر کی ''احسن القصائص'' اور ''تاریخ کرناٹک مختصر تاریخ اسلام، ہندوستان اور دکن کی تاریخ، مختلف تواریخ کے تراجم، مولوی مفتی محمد کی ''تتمہ تفسیر فیض الکریم''، فتاوی محمودیہ، ریاض المؤمنین۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی تصنیفات وتراجم میں عہد نبویؐ کا نظام تعلیم، سیرت طیبہ، مقالات گارسان دتاسی، اردو اعراب اور پٹرول گیاس اور ابتدائے اسلام وغیرہ اردو زبان میں ایک زرین باب کا اضافہ ہیں۔ اس کے علاوہ اس خاندان کی ایک مبارک جلیل القدر ہستی مولانا مولوی مفتی محمود نے اوقات الصلوٰۃ کے چارٹ کی نہ صرف تصنیف کی بلکہ مدارس، پالگھاٹ، حیدرآباد اور اس کے بعض اضلاع (حکومت آصفیہ کا دور) کی مساجد میں یہ دھوپ گھڑیاں نصب کی تھیں۔ مکہ معظّمہ کی (حرم پاک) مسجد میں بھی ان کی لگائی ہوئی گھڑی نصب تھی اور قبلہ نما موصوف نے تیار کیا تھا۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ اوقات الصلوٰۃ ابھی رائج ہیں اور ٹھیک وقت بتاتے ہیں اور ان میں جزوی (اعشاریہ) سے بھی سے کم فرق آیا ہے اور یہ ان کے کمالِ فن پر دال ہے۔ اس مدرسہ کے علماء کو علم ہیئت اور ستاروں کی گردش کے علم سے خاص لگاؤ تھا۔

مدرسہ محمدی کے نصابِ تعلیم میں ذیل میں دی گئی کتابیں شامل ہیں ان میں بعض کتابیں عربی، فارسی کے علاوہ خالص اردو زبان میں بھی مرتب ہیں۔

(۱) کتاب الاسلام (۲) چہل سبق (۳) فوائد ربدریہ: قاضی بدرالدولہ (۴) ریاض النسوان (فقہ شافعی) قاضی بدرالدولہ (۵) مصدر فیوض (۶) احسن القصص: مولوی صفی الدین ناصر: مترجم محمد عتیق (۷) صراط اسلاسم اور صراط النجات (۸) حروف تہجی (۹) کفایت المتعلم (۱۰) ضرورالمسلمین (۱۱) لباب الالباب: حدیث (۱۲) مفید الانشاء: اردو میں خطوط نویسی کا طریقہ (۱۳) نورالانوار اصول فقہ (۱۴) مختصر معانی (۱۵) میرزاہد ملا جلال منطق (۱۶) خصول اکبری نحو (۱۷) شرح عوامل (۱۸) کفایت الاسلام (۱۹) گلدستہ معرفت (۲۰) گلستان اور بوستان (۲۱) میزان الاشعار (۲۲) ترتیب الصلوٰۃ (۲۳) عمدہ الحساب (۲۴) اوزان (۲۵) دیوانِ

ان اردو کتب کی تعلیم کے علاوہ تراجم کی مشق کے لیے فارسی اور عربی سے اردو اور اردو سے عربی اور فارسی میں ترجمہ کرنے کی طلباء کو مشق کرنے کا سلسلہ بہت مستحسن طور پر جاری تھا (۳) جس کے باعث مختلف زبانوں میں طلباء میں مہارت پیدا کرنے کی ذمہ داری بزرگوں کے سر تھی اور اس ضمن میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فارغینِ مدرسہ محمدی اردو عربی اور فارسی کے زیور سے آراستہ ہوکر باہر آتے تھے اور ایک جہان کو روشنی دیتے تھے۔

سب سے زیادہ اہم ترین بات یہ ہے کہ مدرسہ محمدی نے مدرسہ کی ابتداء سے آج تک کسی کے مالی تعاون کے بغیر اپنے طور پر علمی، دینی، ملی خدمات انجام دی ہیں۔ جن کی مثال دور دور تک نہیں ملتی۔

جامعہ دارالسلام عمر آباد ۱۹۲۴ء میں جامعہ دارالسلام کی قیام توحید کی اشاعت اور مذہب وملت کی خدمت کے لیے عمل میں آیا تھا۔ اس کے بانی کاکا حاجی محمد عمر نوراللہ مرقدہ تھے۔ آپ بڑے ولی صفت اور روشن خیال تھے۔ محض رضائے الٰہی کے لیے دارالسلام کی بنیاد رکھی اور اس کے قیام کے تین سال بعد ۱۹۲۷ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

ان کے بعد آپ کے خلف الرشید خان بہادر کاکا جی محمد اسماعیل مرحوم نے دارالسلام کے ابھرتے ہوئے پودے کو اپنے خون سے سینچ کر ایک ایسا تناور درخت بنایا جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں آج بھی ہزاروں تشنگانِ علم دین آرام وسکون پیاس بجھا رہے ہیں۔ آج بھی ہزاروں طلباء سیلون، ملیشیا، نیپال اور افریقہ سے اس جامعہ میں داخلہ لے کر بھرپور علم حاصل کرنے کے بعد اپنی اپنی بستیوں میں دارالسلام قائم کرکے دین کی خدمت کررہے ہیں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ آج اس جامعہ کے بچے حجاز مقدس، افریقہ اور امریکہ اور جنوبی ایشیا کے کئی ملکوں میں دین کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کاش آج کاکا محمد عمر صاحب بقید حیات ہوتے تو اس منظر کو دیکھ کر مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے اللہ تعالیٰ اس عظیم ہستی کو کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

آج بھی جامعہ دارالسلام عمر آباد اور جامعہ اسلام مدینہ منورہ کے روابط اتنے گہرے ہیں جس کا ثبوت جامعہ دارالسلام کی وہ تصویریں ہیں جو آج بھی جامعہ اسلامیہ کی لائبریری میں آویزاں ہیں۔ یہ جامعہ دارالسلام کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

اس جامعہ سے فارغ ہونے والے آج پورے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بیرون ممالک میں بھی درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں مصروف ۱۹۷۹ء میں عمر آباد کا وفد عرب ممالک کے دورے پر گیا تو ہر جگہ اس کا پرخلوص اور شایان شان خیر مقدم کیا گیا اور جامعہ اسلامیہ نے اس کی اتنی قدر ومنزلت کی جس کا اظہار لفظوں میں ناممکن نہ سہی لیکن دشوار ضرور ہے۔

کاکا خاندان کا یہ احسان عظیم ہر دور میں سنہرے حرفوں میں لکھا جائے گا۔ اس مدرسہ کے اساتذہ اور فارغ التحصیل طلباء جنہوں نے علم وادب کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں بہت طویل ہے ان میں سرفہرست حضر علامہ غضنفر حسین شاکر نائطی کا نام روشن ہے جو اس مدرسہ کے پرنسپل بھی رہ چکے تھے، مولانا سروش داؤدی عمری، عبدالرحمٰن تشنہ، مولانا محمد یوسف کوکن، مولانا سید عظمت اللہ سرمدی، مولانا اسماعیل رفیعی، مولانا ابوالبیان حماد، مولانا سالک نائطی، مولانا فہمی کرشنگری، مولانا عبدالقادر ندیوی، مولانا اللہ بخش نوری، مولانا محمد زکریا ایمن عمری، مولانا ادیب خاور، مولانا اوج کنشگری، تمنا یوسفی، ڈاکٹر حکیم عزیز الرحمٰن، رونق اعظمی، جناب محمد یعقوب اسلم، عبدالغفار

فوقی نائطی وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا علامہ غضنفر حسین شاکر نائطی نے یہیں سے ماہنامہ مصحف نکالا تھا۔

موجودہ دور میں ہماری نئی نسل نہ صرف دین کے بنیادی عقائد اور ضروری تعلیمات سے دور ہوتی جارہی ہے بلکہ اردو زبان سے نابلد ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے دین کا بیشتر سرمایہ جو عربی زبان سے اردو میں منتقل ہو چکا ہے اسے سمجھنے کے لیے ہمیں اردو زبان کا سیکھنا نہایت ضروری ہے لیکن ہمارے مسلمان بھی (تاجرانِ اردو) اور لیڈرانِ قوم کی مادری زبان اور بول چال کی زبان دکھنی ہے وہ اردو کا ایک لفظ بھی پڑھنا نہیں جانتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی اس زبان سے دور بہت دور رکھنا پسند کرتے ہیں۔ ایسی بھیانک اور خطرناک صورت میں شہرِ مدارس میں اردو زبان کی موت اور اس کی تباہی کے امکانات زینہ بہ زینہ، منزل بہ منزل اپنی ارتقائی سرحدوں کو چھوتے جارہے ہیں۔

ان عربی مدارس کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو زبان کی ترقی اور بقا کے لیے مدراس کے اور بھی بہت سارے ہائی اسکول، پرائمری اسکول اور کالج نے بہت اہم رول ادا کیے ہیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مدرسہ اعظم، مونٹ روڈ مدراس
(۲) مسلم ہائی اسکول، ٹرپلی کین مدراس
(۳) ہوبارٹ ہائی اسکول (زنانہ) مدراس
(۴) جارج ٹاؤن ہائی اسکول (زنانہ اور مردانہ) مدراس
(۵) کارپوریشن ہائی اسکول، ہمٹری روڈ، مدراس
(۶) مرتضویہ اورینٹل ہائی اسکول، مدراس
(۷) مظہر العلوم ہائی اسکول، آمبور
(۸) اسلامیہ ہائی اسکول وانمباڑی
(۹) گورنمنٹ مسلم ہائی اسکول، ویلور
(۱۰) حبیبہ ہائی اسکول، آمبور
(۱۱) عبیجاس ہائی اسکول، ترپاتور
(۱۲) اسلامیہ ہائی اسکول، وشارم
(۱۳) اسلامیہ ہائی اسکول، پرنام پیٹ
(۱۴) حاجی عیسی اباسیٹھ ہائی اسکول، مدراس
(۱۵) آرٹس کالج، مدراس
(۱۶) نیو کالج، مدراس
(۱۷) ایس۔ایس۔ای۔ٹی کالج (زنانہ)
(۱۸) اسلامیہ کالج، وانمباڑی، شمالی آرکاٹ
(۱۹) سی عبدالحکیم کالج، وشارم، شمالی آرکاٹ
(۲۰) جمالیہ کالج، ترچناپلی
(۲۱) وقف بورڈ کالج، مدورے
(۲۲) پریسیڈنسی کالج، مدراس
(۲۳) کوئینس میری کالج (زنانہ) مدراس
(۲۴) قائد ملت آرٹس کالج (زنانہ) مدراس
(۲۵) ادریس کالج، ویلور
(۲۶) آرٹس کالج، کشنگری
(۲۷) گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول، کشنگری
(۲۸) گورنمنٹ آرٹس کالج، گڑیاتم
(۲۹) میونسپل ہائر سکنڈری اسکول، گڑیاتم
(۳۰) عثمانیہ ہائی اسکول، ترپاتور
(۳۱) گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول ترپاتور
(۳۲) الامین میٹریکولیشن ہائر سکنڈری اسکول، ترپاتور
(۳۳) فاطمہ میٹریکولیشن اسکول، وانمباڑی
(۳۴) ہدیٰ میٹریکولیشن اسکول، وانمباڑی
(۳۵) ٹی۔عبدالواحد میٹریکولیشن ہائر سکنڈری اسکول، آمبور
(۳۶) حسنات جاریہ ہائر سکنڈری اسکول (گرلز) آمبور

سیرت پروین ۔ریسرچ اسکالر،شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، نئی دہلی

شعرائے اردو کے تذکروں کی تاریخی وتنقیدی اہمیت

تذکرہ زمانہ قدیم میں لکھی جانے والی ایک اہم صنف ہے اس کے لغوی معنی ذکر کرنے کی ہیں۔ عام طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو تذکروں میں شاعروں کے حالات ان کی یادداشت کی شکل میں جمع کئے گئے ہیں۔تذکروں کی روایت یوں تو بہت پرانی ہے۔تذکرہ نگاری کا آغاز عرب سے ہوا عربی سے یہ صنف فارسی تک آ پہنچی اور اردو کے دیگر اصناف کی طرح تذکرہ نگاری کا آغاز فارسی کے اثر سے اٹھارویں صدی کے اوسط میں ہوا اور شعرائے اردو کے تذکرے پہلے فارسی زبان میں ہی لکھے گئے کیونکہ اس زمانے میں فارسی علمی وادبی زبان تھی اور زبان وادب پر فارسی کا غلبہ تھا میر کے تذکرہ "نکات الشعراء" کو شعرا اردو کا پہلا تذکرہ تسلیم کیا جا تا ہے۔یہ تذکرہ 1752-1751 کے درمیان لکھا گیا اور ان کے لکھے جانے کا اصل مقصد شاعروں کے کلام کو یکجا کرنا تھا لیکن ہمیں ان میں تنقیدی نظریات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔میر کے عہد میں اور بھی شعرا نے اردو شاعروں کے حالات اور نمونہ کلام کو یکجا کر کے تذکرہ کی شکل میں قلم بند کیا لیکن یہ سارے تذکرے فارسی زبان میں ہی لکھے گئے۔اردو زبان میں شعرا اردو میں لکھا گیا پہلا تذکرہ گلشن ہند ہے۔

تذکروں سے مراد ایسی ادبی تخلیق ہے جس میں شاعروں کے حالات وواقعات ان کے نمونہ کلام کے ساتھ یکجا ہوں یعنی تذکرہ نگار شاعروں کے حالات زندگی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نمونہ کلام پر اپنی ذاتی رائے کا اظہار کر دیا کرتے تھے اور ان رایوں میں ہمیں تنقیدی عناصر مل جاتے ہیں اسطرح شعرائے اردو کے تذکروں میں ہی ہمیں تنقید کی پہلی گونج سنائی دیتی ہے۔اس سلسلے میں مختلف محققین نے الگ الگ رائے دی ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے تذکروں کی تنقیدی اہمیت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔

"ہمارے شعرا کے تذکرے گو جدید اصول کے مطابق نہ لکھے گئے ہوں تاہم ان میں بہت سی کام کی باتیں پائی جاتی ہیں جو ایک محقق اور ادیب کی نظروں میں جواہر ریزوں سے کم نہیں۔(نکات الشعرا،مقدمہ ص11)

بعض ناقدین نے تذکروں کی تنقیدی اہمیت سے انکار کیا ہے ان کے نزدیک تذکروں میں پائے جانے والی رائیں تنقیدی کسوٹی پر کہیں سے بھی کھرے نہیں اترتے بلکہ ان کے نزدیک تذکروں میں پائے جانے والے نظریات تعصب پسندی اور جانب داری کا شکار ہوتے ہیں ان میں پائی جانے والی آرائیں تنقیدی نہیں بلکہ بالکل سطحی ہوتے ہیں اس سلسلے میں تذکروں میں تنقیدی اہمیت سے انکار کرتے ہوئے کلیم الدین احمد نے کچھ یوں اظہار خیال کیا ہے۔

"یہ تنقید محض سطحی ہے۔اس کا تعلق زبان،محاورہ اور عروض سے ہے،لیکن یہ شاید کہنے کی ضرورت نہیں کہ تنقید کی ماہیت اور اس کے مقصد اور اس کے صحیح اسلوب سے بھی تذکرہ نویس واقفیت نہ رکھتے تھے۔ان تذکروں کی اہمیت تاریخی ہے اور دنیائے تنقید میں ان کی کوئی اہمیت نہیں۔شاید یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ تاریخی اہمیت اور تنقیدی اہمیت مشرقین کا فرق ہے۔اب ادبی دنیا اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ ہمیں تذکروں سے کچھ سیکھا نہیں ہے،جہاں تک تنقید کا واسطہ ہے ان تذکروں کا ہونا نہ برابر

ہے۔"(اردو تنقید پر ایک نظر،ص،29-28)

کلیم الدین احمد کے اس اقتباس میں ایک قسم کی انتہا پسندی پائی جاتی ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ شعرائے اردو کے تذکروں میں تنقید کی ایک دھندلی تصویر دیکھنے کو ملتی ہے۔لیکن اس دھندلی تصویر سے ہی اردو ادب میں تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے تذکروں کی تنقیدی شعور کو پرکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانے کے تنقیدی معیار کو سمجھا جائے اگر ہم دور جدید میں تذکروں کے تنقیدی شعور کو تذکروں کی تنقیدی بصیرت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو وہ اس پر کھرے اتر نہیں پائیں گے،لیکن اگر اس زمانے کے معیار کو سمجھ کر تذکروں کی تنقیدی بصیرت کو سمجھا جائے تو ہمیں تذکروں کی اہمیت وقدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔تذکروں میں جو تنقیدی شعور ملتا ہے وہ اپنے عہد کے اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔اس سلسلے میں ابواللیث صدیقی نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بہت خوب کہا ہے کہ جو ادب جس دور کی پیداوار ہوتا ہے اسے اسی معیار کے مطابق پرکھا جانا چاہئے اور کچھ یوں اظہار خیال کیا ہے۔

"ہمیں تذکروں پر تنقیدی و تحقیقی قلم اٹھاتے وقت اس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ وہ ایسے عہد، ماحول اور فضا میں لکھے گئے ہیں جس میں نقد شعر اور سخن فہمی کا معیار آج کے معیار سے بالکل مختلف تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کے مزاق ادب،طرز تنقید اور تذکرہ نگاری کو بیسویں صدی عیسوی کے نقطہ نگاہ سے جانچنا کسی بھی طرح مناسب نہیں"(معیار شعر و سخن،ص45)

عبادت بریلوی نے تذکروں کی تنقیدی اہمیت کے متعلق کچھ یوں اظہار خیال کیا ہے۔

"ان (تذکروں) کے اندر سختی سے ایسی چیز تلاش کرنا جو ادبی ،فنی یا تنقیدی نقطہ نظر سے مکمل ہو، مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انفرادی اور شخصی حیثیت کے حامل ہونے کے باوجود کس حد تک ان میں غیر شعوری طور پر وہ عناصر پیدا ہو گئے ہیں، جن کو ادبی، فنی یا تنقیدی اہمیت حاصل ہے۔"(اردو تنقید کا ارتقاء،ص82)

یہ کہنا صحیح ہوگا شعرائے اردو کے تذکرے ہمارے ادب کا وہ گراں قدر سرمایہ ہے جس سے ہمارے تنقیدی بصیرت کو جلا ملی۔اس کے مطالعے کے بغیر ہم اپنے تنقیدی شعور کے آغاز کے بارے میں نہیں جان سکتے ہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں اردو کے قدیم اور اہم شاعروں کو ہمیں تذکروں کے ذریعہ ہی جاننے کا موقع ملا۔اردو کے اہم شاعروں ان کے حالات ان کے معاشرت اس زمانے کے رسوم اور زبان وادب سے ہمیں واقفیت حاصل ہوتے ہیں۔

اسطرح اردو تذکروں کی اہمیت کے سلسلے میں حنیف نقوی ایک جگہ کچھ یوں لکھتے ہیں۔

"تذکرہ ہمارے سرمایہ ادب کا ایک گراں قدر حصہ ہے جسے نظر انداز کر کے نہ تو ہم اردو شاعری کے مطالعے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور اپنے ادبی تنقید شعور کے آغاز و ارتقاء کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔"(شعرائیاردو کے تذکرے، مرتب،سید عبداللہ،ص52)

شعرائے اردو کے تذکروں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلے وہ تذکرے جو فارسی میں لکھے گئے اور شعراء اردو کے ان اہم تذکروں میں نکات الشعراء،گلشن گفتار،تذکرہ ریختہ گویاں،مخزن نکات، چمنستان الشعراء اور اطبقات الشعراء وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

شعرائے اردو کے تذکرے جو اردو زبان میں لکھے گئے اس میں،گلشن ہند اردو زبان میں لکھا گیا شعرائے اردو کا پہلا تذکرہ ہے اس کے علاوہ طبقات الشعرائے ہند،گلستان بے خزاں،گلستان سخن الشعراء وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

اردو شعراء کے علاقائی تذکرے انتخاب یادگار،سخن و

اران گجرات، حیدر آباد کے شاعر، موجود ہیں۔ میر کا تذکرہ نکات الشعراء اردو شاعروں کا پہلا تذکرہ ہے۔ اور فن تذکرہ نگاری کی بہترین مثال بھی ہے۔اس تذکرے میں ہمیں میر کی تنقیدی نظریات دیکھنے کو ملتے ہیں اور ان نظریات میں ایک قسم کی تلخی پائی جاتی ہے۔۔۔۔میر نے اپنی تنقیدی رایوں کو نہایت سخت گوئی سے پیش کیا ہے۔حاتم جیسے شاعر کو مدد حاصل کہنا ان کے مذاج کی تلخی کا ہی نتیجہ ہے۔یقین کے سلسلے میں یہ کہنا کہ ان میں شعر گوئی کی صلاحیت ہی موجود نہیں تھی۔ان کی تلخ روی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے درد کو آدھا شاعر کہہ ڈالا اس طرح ان رایوں میں ہمیں میر کی تنقید بالکل یک رخی نظر آتی ہے اس سلسلے میں سید عبداللہ نے کچھ یوں اظہار خیال کیا ہے۔۔۔

"میر صاحب کی ناقدانہ عظمت کو ان کی سیرت کی اس خامی سے سخت نقصان پہنچا ہے۔فطرتاً انہیں نقد و نظر کی بے نظیر استعداد عطا ہوئی تھی۔لیکن انہوں نے طبیعت کی افسردگی اور غلبہ غم کے زیر اثر اپنی اس شاندار صلاحیت کو بیدردی اور تلخی کی صورت دے کر بڑا نقصان پہنچایا۔" (شعرائے اردو کے تذکرے، ص23)

میر کی اس تلخ مزاج کا ایک مثبت نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اس دور کے کمتر درجے کے شاعروں نے ان کی تنقید کا نشانہ بننے کے ڈر سے شاعری سے کنارہ کشی اختیار کر لی انہوں نے نکات الشعراء میں شاعری کے جو اقسام بتائے، اس سے ہمیں ان کے شعری نظریات کا بھی پتہ چلتا ہے۔میر کے شعری تصورات کے بارے میں حنیف نقوی نے کچھ یوں اظہار خیال کیا ہے۔

"میر صاحب فارسی کے مانوس و شگفتہ تراکیب، صنعتوں کے بے تکلف استعمال، صفائی بیان و شستگی، بندش اور فصاحت و بلاغت کے اصول و آداب کو لوازمات شاعری تصور کرتے تھے۔انہوں نے شاعری کے لئے ذوق سلیم کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے۔شاعری ان کے نزدیک اکتسابی فن نہیں، ایک فطری ملکہ اور وہبی عطیہ ہے۔" (شعرائے اردو کے تذکرے ص197)

ڈاکٹر سیدہ جعفر نے میر کی تنقیدی شعور کے بارے میں کچھ یوں کہا ہے۔

"میر کا تذکرہ نکات الشعراء اردو کے اولین تذکروں میں سے ہے۔جس کے تنقیدی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔میر نے شعراء کے کلام پر اپنا ٹوک فیصلہ سنایا ہے۔وہ شاعری میں خوب سے خوب تر کے متمنی تھے اس لئے کسی ایسے شاعر کی تعریف میں ربط اللسان نظر نہیں آتے جو شاعر اور تخلیق صلاحیت سے عاری ہو۔" (تاریخ ادب اردو جلد اول، ص148)

لہذا ہمیں یہاں جگہ جگہ بعض نقائص نظر آئے ہیں لیکن ان سب باتوں کے باوا جود نکات الشعراء کی تنقیدی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کا تذکرہ گلشن بے خار بھی تنقیدی نقطہ نظر سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔اور شیفتہ گہرا تنقیدی شعور رکھتے تھے اور تذکرہ گلشن گفتار کے مطالعے کے بعد ہمیں ان کی تنقیدی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ غالب نے بھی شیفتہ کی تنقیدی بصیرت کا اعتراف کیا۔

"آب حیات" اردو تذکروں کی تاریخی اور تنقیدی اہمیت کے سلسلے میں سب سے اہم کتاب ہے یہ اردو شاعری کی پہلی اور اردو تذکرے کی آخری کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔اس کتاب میں آزاد نے شاعروں کے حالات نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں اور شاعروں کی منہ بولتی تصویر پیش کی ہے۔اور شاعری کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔لیکن دوسرے تذکرہ نگاروں کی طرح ہمیں آزاد کے یہاں بھی جانب داری اور تعصب نگاری دیکھنے کو ملتی ہے۔

مختلف تذکروں کے مطالعے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کے ان تذکروں کے مطالعے کے بعد نہ صرف معروف بلکہ غیر معروف شاعروں کو، ان کے حالات زندگی، ان

کے عادت و اطوار، ان کے نمونہ کلام کو جاننے کا موقع ملا اس طرح اپنے تمام تر کمیوں کے بعد بھی شعراء اردو کے تذکرے تاریخی وتنقیدی اہمیت کے حامل ہیں۔

کتابیات

1) شارب ردولوی — جدید اردو تنقید، اصول ونظریات
2) مسیح الزماں — اردو تنقید کی تاریخ
3) سید عابد علی عابد — اصول انتقاد ادبیات
4) سید عبداللہ — شعرائے اردو کے تذکرے
5) عبادت بریلوی — اردو تنقید کا ارتقا
6) ڈاکٹر حنیف نقوی — شعرائے اردو کے تذکرے
7) ڈاکٹر انصار اللہ — شعرائے اردو کے اولین تذکرے
8) ڈاکٹر سیدہ جعفر — فن کی جانچ
9) میر تقی میر — نکات الشعرا
10) سید فتح علی گردیزی — تذکرہ شعرائے اردو
11) قائم چاندپوری — مخزن نکات
12) میر حسن — تذکرہ شعرائے اردو
13) اسد علی خان تمنا — گل عجائب
14) علی ابراہیم خان خلیل — گلزار ابراہیم
15) مرزا علی لطف — گلشن ہند
16) کریم الدین — طبقات شعرائے ہند
17) امیر مینائی — انتخاب یادگار

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم (اقامتی وغیر اقامتی ادارہ)

شاہی ہلز شاہین نگر حیدر آباد

زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدر آباد

Ac No: 1327104000065876 Bank Name: IDBI
Ac N: SHIBLI INTERNATIONAL ADUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFS: IBkL0001327. Branch: Charminar Hyderabad (T.S)

بانی وناظم: مولانا ڈاکٹر مفتی محمد محامد ہلال اعظمی۔ موبائل: 9392533661

تقدیر میں ہوتو...

"اس نے مجھے ٹھکرادیا، پر میں آج بھی اسے چاہتی ہوں . شاید ہی میں کبھی اسے بھول پاؤں گی . اور ...اسے دل میں رکھتے ہوئے میں کسی اور سے شادی نہیں کرسکتی". وہ اپنی نظریں جھکائے اپنے ہارے ہوئے دل کی داستان اسے سنا رہی تھی . آنکھیں پانیوں سے بھر رہی تھیں . اس کی آنکھوں پر پہرا دیتی سیاہ خمدار پلکیں اس کے آنسوں چھپانے کی ناکام کوشش کررہے تھے.

" آپ پلیز اس رشتے سے انکار کردیں". اس نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا تھا . ایک پل کو وہ اس کی کانچ جیسی آنکھوں کو دیکھتا گیا.

"تم ایک ایسے شخص کے لئے مجھے ٹھکرا رہی ہو جسے تمہاری پرواہ نہیں . جانتی ہو اتنے سالوں میں، میں نے تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچا تک نہیں". اس کی ساری بات بہت ہی اطمینان سے سن کر اس نے کہا.

" آپ نے میرا انتظار کیا میں دانش کا انتظار کرونگی". وہ ٹیبل پر آڑھی ترچھی لکیریں بناتی کہہ رہی تھی.

"اگر وہ لڑکا تمہارے سامنے آجائے اور یہ کہے کہ وہ بھی تم سے بہت محبت کرتا ہے تب تم کیا کروگی؟" ریان نے سوال کیا.

"اگر وہ مجھے مل جائے تو میں کتنا خوش ہونگی یہ آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے". انداز طنزیہ تھا.

"اگر وہ اس حال میں نہ ہوا جیسے تم نے اسے تصوّر کیا ہے، کچھ مختلف ہوا تو؟" وہ اس پر نظریں جمائے کیا جاننا چاہتا تھا؟

"دیکھیں مجھے الجھائیں نہیں . آپ پلیز اس رشتے سے انکار کردیں . اور رہا سوال دانش کا تو وہ مجھے ہر حال میں قبول ہے". بہت ہی سخت لہجہ تھا.

"سنایا ...وہ لڑکا تمہارے سامنے ہے". ریان نے سنجیدگی سے کہا.

"ریان!" اسے ایک دم غصّہ آگیا . اگلے ہی پل اسے احساس ہوا تھا کی وہ کدھر بیٹھی ہے . پارلر میں وہ کوئی تماشا نہیں چاہتی تھی .

"اگر یہ مزاق تھا تو مجھے بالکل بھی پسند نہیں آیا. آپ کی اطلاع کے لئے میں دوبارہ بتادوں کہ میں نے اسے دیکھا ہے". خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس نے خاصے نرم لہجے میں کہا . " کتنی بار دیکھا تھا؟" وہ اسے کریدرہا تھا.

" کتنی بھی دفع دکھوں آپ کو مطلب نہیں ہونا چاہیے". اسے ریان کی ڈھٹائی پر طیش آرہا تھا" . کتنا ڈھیٹ ہے یہ . خود کو دانش کہہ رہا ہے . دانش اس جتنا وجیہہ تو نہیں پر میں نے اس کی وجاہت سے نہیں اس کے دل سے محبت کی تھی". وہ اسے غصّے سے دیکھتی سوچ رہی تھی . ریان اپنا موبائل لئے پتا نہیں کیا کررہا تھا . اور یہ دل ہی دل اسے کوس رہی تھی.

"سنایا" اس نے چٹکی بجائی . وہ ایک دم ہی اپنے خیالوں سے باہر آئی . اس نے اپنا فون سنایا کو دیدیا . سکرین پر جو تصویر اس نے دیکھی تو بس دیکھے چلی گئی . ریان کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس تصویر میں وہ دانش ہی تو تھا . پر یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ اپنی آنکھیں پھاڑے کبھی سکرین پر لگی اس تصویر کو دیکھتی تو کبھی سامنے بیٹھے ریان کو دیکھتی.

"یہ ... دانش"... اس کے ذہن میں کئی سوال اٹھ رہے تھے پر لفظ جیسے ساتھ چھوڑ گئے تھے.

"یہ میرا دوست انس ہے". ریان نے موبائل واپس لیتے ہوئے کہا.

"سنایا میری بات غور سے سنو . دانش صرف ایک ورچوئل نیم تھا . وہ آئی. ڈی . میرے دوست انس کا تھا . اسی نے دانش احمد کے نام سے وہ اکاؤنٹ بنایا تھا". اس کا ایک ایک لفظ سنایا کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا.

"ریان ... کچھ غلط ہوا ہے، ہے نا؟" اسے اپنی ہی آواز اجنبی لگ رہی تھی .

" کچھ بھی غلط نہیں ہوا سنایا . تم نے کبھی انس سے بات نہیں کی . فون پر تم مجھ سے ہی بات کرتی تھی". یہ بات سن کر سنایا کے دماغ میں ایک اور دھماکہ ہوا . اسے کل رات والی بات یاد آ گئی جب وہ فون پر ریان سے بات کر رہی تھی تو اسے اس کی آواز دانش کی آواز جیسی لگ رہی تھی . وہ ریان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے دیکھتی چلی گئی . مانو پوچھ رہی ہو' کیا یہ شفاف آنکھیں بھی کسی کو دھوکہ دے سکتی ہیں؟'

"ریان تم نے کیا کھیل کھیلا میرے ساتھ؟ میں جاننا چاہتی ہوں کے محبت کے دعویدار نے اپنے دوستوں کے ساتھ ملکر مجھے کتنا رسوا کیا". آنسوں بند توڑ چکے تھے . وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس سے سوال کر رہی تھی.

"سنایا"... وہ اس کی بات پر تڑپ اٹھا" . میں خواب میں بھی ایسی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتا . مجھے اتنا گرا ہوا تو مت سمجھو. میں تمہیں ساری سچائی بتاؤنگا". وہ شکستہ دکھائی دے رہا تھا.

"میں ریان خان جو ہمیشہ ہی تقدیر پر شاکر رہتا ہوں . یہ بھی شاید تقدیر کا ہی کھیل تھا جو اس دن انس کو تم مل گئی. میرے دوست انس نے دانش احمد کے نام سے ایک آئی. ڈی. بنایا ہوا تھا لڑکیوں سے دوستی کرنے کے لئے . میں نے کئی دفع اسے سمجھایا کی وہ بعض آجاے پر وہ میری سنی ان سنی کر دیتا" .

"اس دن بھی وہ وقت گزاری کر رہا تھا جب اسے تم مل گئی .

"چل اسے بند کر اس کے علاوہ بھی کوئی دنیا ہے".

میں اس کا لیپ ٹاپ بند کر وا رہا تھا.

"رک یار کوئی لولی پری ہے". وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گیا .

" کیا نام ہے پری کا" مجھے اس کے انداز پر ہنسی آ گئی.

"سنایا نور" یہ نام تو ہر وقت میرے ذہن میں ورد کرتا تھا" . میں نے ایک جھٹکے سے لیپ ٹاپ اس سے چھینا اور وہ ایک دم چونک گیا . پھر میں نے تمہاری تعلیم کے بارے میں پوچھا مجھے کچھ کچھ یقین ہو رہا تھا کی ہونا ہو یہ وہی سنایا نور ہے جسے میں جانتا تھا . میں نے اپنے بارے میں وہی کہا جو انس سب سے کہتا تھا . میں نے خود کو انجینیر نگ سٹوڈنٹ بتایا جب کہ میں بنگلور میں جاب کر رہا تھا".

"میں ایک بار یقین کر لینا چاہتا تھا کی یہ تم ہی ہو اسلئے میں نے تمہیں کیم آن کرنے کو کہا . تم ٹال گئی . پھر میں نے سوچا کی ایک نہ ایک دن تو میں تمھیں دیکھ ہی لونگا پر اگر تم نے مجھے دیکھنے کی خواہش کی تو مشکل ہو جائیگی"..

"تم قسمت سے مجھے پھر مل رہی تھی، میں کیسے تمھیں کھو دیتا . اسلئے میں نے اپنا موبائل نمبر تمہارے ساتھ شیئر کیا. تم نے بھی اپنا نمبر مجھے دیدیا اس سارے عمل پر انس حیران رہا. مجھے مجبوراً اسے تمہارے بارے میں بتانا پڑا" .. کچھ پل کے لئے وہ رکا اور سنایا کو دیکھنے لگا جو مسلسل آنسو بہاے جا رہی تھی.

"میرا یقین کرو سنایا میں نے کبھی کسی دوست کے سامنے تم سے بات نہیں کی، میں نے تو کسی کے سامنے تمہارا ذکر تک نہیں کیا ... جب میں شروع میں تمھیں فون کرتا تم مجھے فون

کرنے سے منع کرنے کی کوشش کرتی . میں تمہارا ارادہ جان کر جھٹ سے فون بند کر دیتا . پھر کئی دنوں بعد میں نے بڑی مشکل سے ویڈیو کال کا پوچھا اگر تم مجھے دیکھ لیتی تو یقیناً کوئی رابطہ نہیں کرتی . یہ سوچ کر میں نے انس کو آگے کر دیا . اور جب میں نے تمہیں دیکھا تو میری خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا".

"ایک اور اتفاق اس دن شادی میں ہوا تھا جب میری ماما کو تم پسند آ گئی- پھر تم نے دانش کو میرا مطلب ہے مجھے فون کر کے اپنے لئے آنے والے رشتے کا بتایا . اسی وقت میں سچائی بتا دینا چاہتا تھا پر تمہیں کھونے کے ڈر سے میں نے تم سے یہ بات چھپائی اور تمہیں انکار کر دیا- مجھے یقین تھا تم اپنے گھر والوں کی بات مان کر مجھ سے شادی کر لوگی".

"میں نے طے کر لیا کہ شادی کے بعد میں تمہیں سچائی سے آگاہ کر دونگا اور تم سے معافی مانگ لونگا". اس نے اپنی بات کے اختتام پر کہا تھا.

وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی . اور ریان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے آنسوں ہی پونچھ دیتا یہ آنسوں دینے والا بھی تو وہی تھا.

" کیا محبت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں؟ میں کوئی کھلونا تھی جو میرے ساتھ کھیلتے رہے؟"

"مجھ پر ایک احسان کرو گے؟"

"تم کہہ کر تو دیکھو" وہ جذباتی ہوا .

"میرے گھر آ کر اس رشتے سے انکار کر دو . تم نے بالکل ٹھیک سوچا تھا میں اپنے گھر والوں کے خلاف نہیں جا سکتی". اس نے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسوں صاف کئے۔

"اور اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو؟" وہ اعتماد سے پوچھ رہا تھا.

"اگر ہماری شادی ہو گئی تو تم مجھے حاصل تو کر لو گے پر میرے دل میں تمہارے لئے کوئی گنجایش نہیں ہوگی". ایک دھوکہ ہوا تھا . کس نے دیا تھا یہ دھوکہ اسی نے جو محبت کا دعویدار تھا.

"میری وجہ سے تم بہت ہرٹ ہوئی ہو . ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا . تم جیسا چاہتی ہو اب ویسا ہی ہوگا- میں ماما سے کہہ دونگا وہ تمہارے گھر فون کر کے انکار کر دیں گی". اس نے ایک نظر سنایا پر ڈالی جو پھر ایک بار اپنے آنسوں ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی .. اس کے بہتے آنسوں پر ریان کا دل کٹا جا رہا تھا .

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اور تقریبا بھاگتے ہوئے وہاں سے چلی گئی . ریان کی نظریں دور تک اسکا تعاقب کرتی رہیں . اس نے اپنے دونوں ہاتھ کوہنیوں کے بل ٹیبل پر ٹیک دیئے اور اپنا سر تھام لیا.

جب وہ رات کے قریب گیارہ بجے گھر پہنچا تو ردا اس کی منتظر تھی . اس نے جاتے وقت بہن کو بتا دیا تھا کی وہ سنایا سے ملنے جا رہا ہے.

" کدھر چلے گئے تھے؟ مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا- رات کے گیارہ بج رہے ہیں . وہ تو ردا سے پتا چلا کی کسی دوست سے ملنے گئے ہو . بھوکے پیاسے نہ جانے کدھر خوار ہو رہے تھے . تمہارا فون بھی آف آ رہا تھا". ماما جو کچن سے باہر آ رہی تھیں اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئیں.

"بھائی ایک بہت ہی خاص دوست سے ملنے گئے تھے-" ردا کا انداز شرارتی تھا.

"میں انس سے ملنے گیا تھا- اور میں ڈنر کر کے آ رہا ہوں". وہ صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے جلدی بول پڑا کہیں ردا کی زبان نہ پھسل جائے.

"دیکھ رہی ہوں تمہارے خادم گھر میں ٹکتے ہی نہیں. سوچ رہی ہوں کل ہی سنایا کے گھر جا کر بات پکی کر دوں- اب وہی آ کر سدھاریگی تمھیں ایک ماہ کے اندر شادی کر دونگی تمہاری-"

ماں کوتو موقع چاہیے تھا ریان سے شادی کی بات کرنے کا.

"ادھر جانے کی کوئی ضرورت نہیں . میرا ابھی ارادہ نہیں ہے شادی کا . اگلے پانچ سالوں تک تو شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا . فی الحال تو میں امریکا جانے کی سوچ رہا ہوں آج اسی سلسلے میں انس سے ملنے گیا تھا". وہ بہت سنجیدگی سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا . ردا چونک ہی تو گئی تھی.

"یہ امریکہ جانے کا پلان کب بنایا تم نے؟ اور لڑکی والوں کو کیا جواب دوں؟" ماما سخت لہجے میں پوچھ رہی تھیں.

"میں تو پہلے سے ہی کوئی لڑکی دیکھنے پر راضی نہیں تھا . آپ لوگوں نے ہی زبردستی کی تھی . اگر اتنا ہی میری شادی کا شوق ہے تو ابھی منگنی کر دیں پانچ سال بعد شادی کا سوچینگے. اور لڑکی والوں سے بھی کہہ دیں کی ابھی منگنی ہوگی اور کچھ سال بعد شادی". کہہ کر وہ رکا "وہ لوگ خود ہی انکار کر دینگے". بڑبڑاتا ہوا چلا گیا . ماما حیران اسے جاتا دیکھ رہی تھی.

ردا بھائی کے پیچھے ہی اس کے کمرے میں چلی گئی.

"ایسا کیا ہوا بھائی جو آپ شادی سے انکاری ہیں".

"اف! تم تو رائی کا پہاڑ بنا رہی ہو . میرا شروع سے ہی شادی کا ارادہ نہیں ہے . ابھی میں سیٹل ہونا چاہتا ہوں. پڑھائی ہوئی نہیں تم لوگوں نے شادی کی رٹ لگادی، بندہ سانس بھی نہ لے". وہ چڑھ گیا.

" کوئی جھگڑا ہوا ہے آپ دونوں کا؟" وہ کب ماننے والی تھی.

"ایسی کوئی بات نہیں . اب تم جاؤ یہاں سے . میرے سر میں درد ہو رہا ہے کچھ دیر آرام کرنے دو". وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہہ رہا تھا.

"میں ماما کو بتادونگی آپ سنایا سے ملنے گئے تھے". اس نے دھمکی دی .

فریشر پارٹی سے لیکر آج اس سے ہونے والی ملاقات تک ریان نے اسے ساری بات بتادی . وہ کیسے دانش بن کر اسے دھوکہ دیتا رہا اس نے یہ بھی بتادیا . آخیر میں اس نے بہن سے وعدہ بھی لے لیا کہ وہ کسی سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرے . ردا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا.

" آپ نے جو بھی کیا وہ ٹھیک نہیں تھا"

"اسلئے میں امریکا جانا چاہتا ہوں". اس نے ایک سرد آہ بھری.

" آپ سچ میں جانے کا سوچ رہے ہیں؟ سنایا کے لئے آپ ہم سب کو چھوڑ دینگے؟ کیا ہم لوگوں سے محبت نہیں ہے آپ کو؟" وہ جذباتی ہو رہی تھی.

"ایسی بات نہیں ہے . اگر میں ادھر رہا تو مجھے سکون نہیں ملے گا . مجھے دیکھ ماما پاپا بھی پریشان ہونگے . میں ان لوگوں کو دکھ نہیں دے سکتا". اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا.

سنایا آئسکریم پارلر سے نکل کر عروج کے گھر کی طرف بڑھ گئی .. عروج حال میں اپنے ممی بابا کے ساتھ بیٹھی تھی . گھر میں پھولوں کی خوشبو مہک رہی تھی . براؤن کلر کے سوٹ میں ملبوس سر پر سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے عروج کا گندمی رنگ دمک رہا تھا.

" السلام علیکم" وہ بمشکل مسکرائی . سب ہی اس کی طرف متوجہ ہوئی.

"وعلیکم السلام" سب نے ایک ساتھ جواب دیا.

"بہت ہی سہی وقت پر آئی ہو" عروج کی ممی اس سے گلے ملکر خوش دلی سے بولیں.

"ارے بھئی بچپن کی ساتھی ہے . اسے تو آنا ہی تھا". اس کے بابا سنایا کے سر پر ہاتھ پھر کر بولے.

"میں کچھ سمجھی نہیں". اس نے عروج کے گلابی ہوتے چہرے کو دیکھ کر ناسمجھی سے کہا.

شیرین بیگم ۔ ریسرچ اسکالر، شعبہ فارسی جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

ہندوستانی قصوں سے ماخوذ فارسی مثنویوں پر ایک نظر

فارسی ادب کا اصل سرمایہ شاعری اور خصوصاً صنف مثنوی ہے۔ یوں تو فارسی مثنویات اپنی خوبیوں سے مالامال ہے، مگر خاص طور پر فارسی ادب کی مشہور مثنویوں پر نظر ڈالیں تو تقریباً تمام مثنویات قصہ و داستانوں پر مربوط ہے۔ جس میں فارسی شاعروں نے بہترین جوہر دکھائے ہیں۔ چونکہ ہندوستانی قصہ و کہانی ہمیشہ سے ادبی ذخیرے کا قابل قدر حصہ رہی اس لیے بدون تر دید یہ کہا جا سکتا ہے کہ قصہ و کہانی کے لحاظ سے ہندوستان برمقابل جہان غنی تر ہے۔ شاید یہی وجہ رہی کہ فارسی شعراء بھی اپنے مثنویوں کے لئے اس موضوع کے انتخاب سے خود کو روک نہ پائے۔ ہندوستانی قصوں سے ماخوذ فارسی مثنویات کے تعداد کے ذکر کے متعلق محققین کی تحقیق جاری ہے لیکن ان میں چند ایسے مشہور و معروف قصے ملتے ہیں۔ مثلاً فیضی کی نل و دمن، عاقل خان رازی کی مہر و ماہ مربوط بہ قصہ منوہر و مدھومالت، عاقل خان رازی کی شمع و پروانہ مربوط بہ قصہ و پدماوت، شیخ حسام الدین کی کامروپ و کاملتا، آفرین لاہوری کی ہیر و رانجھا، عطا محمد کی ارژنگ عشق مربوط بہ قصہ سونی و مہیوال، افضل سرخوش کی ہنس و جوہر مربوط بہ قصہ سسی و پنوں، عطا حسین تحسین کی شمع محافل مربوط بہ قصہ مرزا و صاحباں اور ادرا کی بیگلار کی چنیسر نامہ مربوط بہ قصہ لیلا و چنیسر وغیرہ ہے۔

نل و دمن۔ یہ قصہ ہندوستان کا لافانی قصہ ہے اس کا اصل ماخذ مہابھارت سے لیا گیا۔ سنسکرت میں بھی اس قصے کے متعدد نسخے ملتے ہیں اس قصے کا شمار ہندوستان کے ان چند قصوں میں سے ہے۔ جس کی شہرت و مقبولیت نہ صرف ہندوستان اور ایران بلکہ بیرون ممالک بھی ہے۔ لیکن اگر مثنویوں کی بات کی جائے تو اس کا سہرا فیضی کے سر جاتا ہے۔

بہرحال فیضی نے اس مثنوی کو اپنے سبک میں یوں بیان کیا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی مثلاً بیان عشق و سوز و گداز:

عاشق ستمی کہ دید از عشق
معشوقہ ھمان کشید از عشق
عاشق طلبی کہ بی سبب دید
معشوقہ بہ خود ھمان طلب دید
کز بسکہ دل نل از غم آشفت
از سوزش فتنہ عالم آشفت

بہرحال مدھو مالت کے قصے کو شاعر شیخ منجھن نے حدوداً رازی سے ڈیڑھ سو سال قبل نظم کیا تھا۔ لیکن رازی اپنے مثنوی کا ماخذ "لوح ہندوی" کو بتاتے ہیں۔ جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے:

نہ لوح ہندوی کاین نسخہ راز
بہ نقش فارسی شدہ جلوہ پرداز
مرادم ذکر عشق است ای وفا کیش
بود در عہد رازی کم و بیش

پدماوت: عاقل خاں رازی کی دوسری مثنوی شمع و پروانہ جس میں رازی نے پدماوت کے قصے کو سال 1069 ہجری میں نظم کیا۔ جیسا کہ شعر ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

ہست اکنون زور این طارم
سال ہجرت ہزارو شصت و نہم

اس کا ماخذ ملک محمد جایسی کی مشہور نظم پدماوت ہے۔ لیکن اس کا ذکر رازی نے نہیں کیا صرف قصہ ہندی سے منسب کیا ہے:

قصہ پرداز ہندی افسانی
محرم راز شمع و پروانہ

کامروپ و کاملتا: کومروپ و کاملتا کا شمار سرزمین ہندوستان کے قدیم قصوں میں ہوتا ہے۔ یہ کہنا بجانہ ہوگا کہ یہ قصہ زمانہ قدیم تاحالا اہل ادب کا توجہ بنی رہے، اسے دیگر زبان کے شاعروں نے بھی منظوم کیا ہے۔ فارسی میں اس قصے کو میر علی شیر قانع نے سال 1169 ہجری میں، شیخ حسام الدین حسامی، میر محمد کاظم حسینی متخلص بہ کریم (1672-1626) اور میر محمد مراد لائق جونپوری نے مثنوی کے قالب میں پیش کیا۔ میر محمد نے اس مثنوی کو عہد اورنگ ذیب میں لکھا اور اس قصے کا آغاز وہ یوں کرتے ہیں کہ:

خدا وند بہ فکرم تازہ جان کن
بہ حمد خویش اول تر زبان کن
کرامت کن بہ لطف خدا زبانم
کہ من بسپار ڑولیدہ بیانم

ہیر ورانجھا: یہ قصہ پنجاب کا ہر دل عزیز قصہ ہے۔ اس قصے مثنوی کو فارسی کے کئی مثنوی سرایانوں نے نظم کی شکل میں بیان کیا۔ مثلاً میر عظیم الدین عظیم تتوی، ضیاالدین ضیا تتوی، مصنفہ آزاد نواب ولی خان محمد خانلعاری، قادر بخش بیدر اور آفرین لاہوری شاہ فقیراللہ وغیرہ۔

سسی و پنوں: یہ قصہ سندھ کے مشہور و معروف قصوں میں سے ایک ہے۔ اس قصے کو میر معصوم شاہ نامی نے مثنوی حسن و ناز کے نام سے قلمبند کیا۔

علاوہ ازیں محمد رضا مخلص بہ رضائی نے بھی اس قصے کو زیبا و نگار کے نام سے شاہ جہان کے عہد میں منظوم کیا۔

رضائی کی اس مثنوی کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے

الہی ھم دلی ھم بہ دلی دہ
ھم آن حاصل ھم این بہ حاصل دہ

چنیرن نامہ: اس قصے کو شمالی مغربی ہندوستان میں وہی اہمیت حاصل ہے جو سسی و پنوں کو ہے۔ اس قصہ محلی سندھ کو ادرا کی بیگلاری نے لیلا و چنیرں کے نام سے 1601م میں پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

سونی و مھیوال: ھندوستان سے وابستہ ایک ایسی رومانی قصہ ہے جس کے چرچے نہ صرف ھندوستان بلکہ بیرون وممالک عام ہیں۔ یہاں تک کہ ھندوستان و پاکستان میں اس قصے پر مبنی کئی فلمیں بنائی جا چکی ہیں۔ اس عشقیہ داستان کی مقبولیت کی یہی وجہ رہی کہ بہت سے ادیبوں و شاعروں نے اپنے آثار ادبی کے لئے اس قصے کا انتخاب کیا۔ پنجاب کے ایک نامور شاعر عطا محمد مخلص زیرک نے بھی اس قصے کو فارسی مثنوی کے پیرائے میں "ارڑنگ عشق" کے نام سے ڈھالا۔ اس مثنوی میں شاعر نے اس کے مختلف اوضاع کو بھی بیان کیا ہے۔

حدیث حسن و عشق از یکہ گفتم
گھر ھا درشب تاریک سفتم
ذکی امید مردم نی دراہم کار
قمار خشک می بازم خبر دار

مرزا و صاحباں: سرزمین سندھ و پنجاب میں محبت کے چند ایسے عشقیہ قصے سامنے آئے، جو ہمیشہ کے لئے امر ہو گئے۔ مرزا و صاحباں کا شمار انہی لافانی داستانوں میں ہوتا ہے۔

اس قصے کو فارسی شعراء مثلاً صادقی نے "شوق نامہ" عطا حسین تحسین نے بہ نام شمع محافل اور میر ناصر خان تالپر جعفری نے سال 1235ھ میں مثنوی کے رنگ میں منظوم کیا۔ جعفری کے اس مثنوی کا آغاز کچھ یوں ہے۔

بنام خداوند ھر دوجھان
کزاوھست بر بازمین و زمان

لہٰذا یہ تمام مثنویات نہ فقط فارسی ادب بلکہ سراسر جہان کی معرکۃ الآراء مثنوی ہے۔ ان مثنویاں میں زبان کی سادگی،

افکار،شدت جذبات،مکالمہ نگاری،محاورات کی برجستگی ، خوبصورت موسیقیت اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کی بہترین تہذیبی عکاس کی وجہ سے ادب میں بہت اہم مقام رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان مثنویوں کا شمار فارسی کی اہم ترین مثنویوں میں ہوتا ہے۔ان مثنویوں میں بہت سے کرداروں کی بھرمار ہے،بہت سے مناظراورساتھ ہی ساتھ مافوق الفطرت عناصر عشق وعاشقی، بادشاہ وساحر ہیں ان ساری چیزوں کو فارسی شاعروں نے اس انداز سے بیان کیا ہے کہ قابل دید ہے۔فارسی شاعروں نے ہندوستان کی محلی زبان، محاورات اورضرب الامثال کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی معاشرتی جھلکیوں کو اس فنکارانہ انداز سے بیان کیا ہے کہ بڑے بڑے ادیب وشاعر انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔قبلاً ذکر شدہ مثنویوں میں کچھ مثنویاں پوران کے قصے،قدیم لوک کہانیاں کچھ کچھ نیم تاریخی قصوں پر مربوط ہیں۔لیکن باوجود اس کے ساری مثنویاں میں ایک خاص شباہت داستان عشق و عاشقی پایا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان مثنویوں میں جذبات نگاری وسوز وگداز کو فارسی سرایانوں نے جس لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ شاید ہی ویسے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔اگر یہ کہا جائے کہ فارسی شاعروں نے ہندوستانی قصہ و کہانیوں کو فارسی کا رنگ و روپ دینے میں کامیاب ہوگئے تو بجانہ ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ ماہرین ادب ونقادان فن نے ان مثنویوں کی ادبی حیثیت واہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

ہندوستانی قصہ وکہانیوں پر دیگر زبان کے ادیبوں نے بھی قلم فرسائی کی لیکن فارسی شاعروں نے اپنے فن کو صنف مثنوی کے ذریعہ بروئے کار لاکر ہندوستانی قصوں کو منفرد مقام پر کھڑا کردیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان قصوں کو اردو شاعروں نے بھی اردو زبان کے لطافت میں بیان کیا۔ بہر حال ھندوستانی قصوں پر پرمربوط فارسی مثنویات، فارسی مثنویوں سرایانوں کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مثنویاں حقیقت نگاری، اورالم ناکی کی وجہ سے فارسی ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ان مثنویوں کی ادبی اہمیت کے مسلم ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ فارسی مثنوی سرایانوں نے ان قصوں میں جذبات و احساسات کو کردار کی زبانی کے ذریعہ آسان صاف اورنادر الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

کتابیات:

مہرو ماہ از عاقل خان رازی مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکہ

منتخبات کلیات سرخوش آصفیہ نمبر974(ج4ص300)حیدرآباد

منتخب التوریخ جلد سوم از قدرت اللہ قاسم مطبوعہ لاہور1933ء

مثنوی پدماوت شمع و پروانہ (قلمی) ضیاء الدین عبرت وغلام علی عشرت ، کتب خانہ انجمن ترقی اردوعلی گڑھ،نشان75/630

شمع و پروانہ (قلمی) لٹن لائبریری علی گڑھ نشان50/180

شمع و پروانہ، مطبع مصطفائی1265ھ

مثنوی پدماوت، محمد قاسم علی بریلوی، نول کشور کانپور1873ھ

فہرست مخطوطات فارسی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

فہرست مخطوطات فارسی نیشنل لائبریری کلکتہ

پنجابی قصے فارسی زبان میں (مجلداول) ڈاکٹرمحمد باقر، لاہور،1957ء

تاریخ مثنویات اردو، جلال الدین احمد جعفری، لاہور طبع دوم

تاریخ سند، اعجاز الحق قدوسی، ج2، لاہور1971 میلادی

تاریخ معصومی، میر معصوم نامی بھکری، بمبئی،1931 میلادی

داستانسرایی فارسی در شبہ قارہ در دورہ تیموریان دکتر طاھرہ صدیقی اسلام آباد،1999 میلادی

ذیباونگار محمد رضارضائی، مخطوطہ، سید حسام الدین راشدی مرحوم

مثنویات ھیررانجھا، حفیظ ہوشیار پوری، سندی ادبی بورد، کراچی1957 میلادی

ھندوستانی قصوں سے ماخوذ اردومثنویاں، گوپی چند نارنگ، دھلی1962 میلادی

فھرست مخطوطات مشترک، مرکز تحقیقات فارسی، منزوی، ج 7،منظومہ (1) اسلام آباد

چنیسر نامہ، ادرا کی بیگلاری، سندی ادبی بورد کراچی1955 میلادی

داساتان ھای عشقی پاکستان، داکتر عبدالحمید عرفانی، تھران1340 شمسی

تذکرہ کلمات الشعراء ، محمد افضل سرخوش، لاہور،1942 میلادی

Manuscriptstheof CatalogueThe:Sprenger

1895London II,:VolMuseum Britishthein

ڈیسنٹ ایجوکیشن سوسائٹی کی جانب سے ادبی اجلاس، مشاعرہ

اور سینئر صحافی محمد نصر اللہ خان کی تہنیتی تقریب سے ڈاکٹر محمد غوث، واحد علی خان اور ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی کی مخاطبت

حیدرآباد: رنومبر (پریس نوٹ) شاعر مشرق علامہ اقبال، بابائے صحافت وممتاز مجاہد آزادی مفسر قرآن مولانا ابوالکلام آزادان دونوں کی شخصیات سے ہندوپاک کی عظمت اوراُس کی قدر میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ان شخصیات کا موازانہ ممکن نہیں جنہیں نئی نسل سے واقف کرواتے ہوئے اُن کے قلب وذہن میں ان کے کاموں کوذہن نشین کروانے کی ضرورت ہے۔ اِن خیالات کا اظہار جناب محمد غوث ڈائریکٹر رسکریٹری تلنگانہ ارد واکیڈیمی نے ڈیسنٹ ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے منعقدہ سمینار، مشاعرہ وتہنیتی تقریب سے کیا۔ جواردوگھر مغلپورہ میں منعقد ہوئی۔اس پراثر تقریب میں ڈیسنٹ ایجوکیشن سوسائٹی کی جانب سے سینئر صحافی محمد نصر اللہ خان کی 25 سالہ صحافتی خدمات پرتہنیت وگلپوشی، مومنٹو اور سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ جناب محمد غوث نے ممتاز مجاہد آزادی مولانا ابولکلام آزاد اور علامہ اقبال کی شخصیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اردواکیڈیمی تلنگانہ کے ذریعہ اردو کی بقاء وترقی اور مختلف امور کے کام انجام دیئے جارہے ہیں۔ ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی چیرمین شبلی انٹرنیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد، ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی نے علامہ اقبال اور مولانا آزاد کی شخصیات پر روشنی ڈالی اور کہا کہ ان دونوں شخصیات نے سماجی تعلیمی مسائل کے ساتھ مسلمانوں کے کرب کودور کرنے اور تعلیم کوحاصل کرنے پرزوردیا۔ان شخصیات نے سماج ومعاشرہ میں تعلیمی شعور، تہذیب وتمدن کی پروان چڑھانے کی بھرپور کوشش کی۔ جناب واحد علی خان ایڈوکیٹ صدر سوسائٹی نے کہا کہ اپنے اپنے علاقوں میں ان کی جدوجہد کے بنا آج اُردوزبان کواقطاع عالم میں فروغ ملا ہے۔ مہمان خصوصی جناب سلیم فاروق اردواکیڈیمی جدہ نے کہا کہ علامہ اقبال اور مولانا آزاد نے حالات کا گہرا مطالعہ کیا جس کی وجہ سے علامہ اقبال کے اشعار میں ایسی گرمی پیدا ہوئی کہ ملک وقوم میں انقلاب پیدا ہوا اور وہیں مولانا آزاد نے قرآنی وحدیث کے مطالق ملک کے حالات پر بہ حیثیت صحافی اپنا قلم اٹھاکراس وقت کا منھ توڑ جواب دیا۔ جناب حیدرعلی خان نے کہا کہ علامہ اقبال اور آزاد نے مسلمانوں میں سیاسی شعور اور حقوق سے واقفیت اور اس کوحاصل کرنے کا مادہ پیدا کیا۔ ڈاکٹر محمد ناظم نے صحافی محمد نصر اللہ خان کی 25 سالہ صحافتی خدمات پر مضمون سنایا۔ ڈاکٹر سید حبیب امام قادری لکچرار اے کے ایم اورینٹل ڈگری کالج نے ڈیسنٹ ایجوکیشن سوسائٹی کا تفصیل سے تعارف پیش کیا اور اپنے خیر مقدمی کلمات میں سوسائٹی جوملت اسلامیہ کے حق میں مختلف میدانوں میں سرگرم عمل ہے۔ روشنی ڈالی۔ ادبی اجلاس کے فوراً بعد صاحبزادہ مجتبیٰ فہیم کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ جس میں ڈاکٹر فاروق شکیل، سید سمیع اللہ حسینی، اطیب اعجاز ڈاکٹر معین افروز، سلیم الہامی، جدت اسلوبی اور دوسروں نے کلام سنایا۔اس تہنیتی تقریب وادبی اجلاس ومشاعرہ میں جناب سید سیف الدین قادری سکریٹری انجمن خادم المسلمین کاچی گوڑہ، جناب محمد اکرام الدین نائب صدر انجمن خادم المسلمین، میر لیاقت علی ہاشمی جنرل سکریٹری تنظیم ہم ہندوستانی سعودی عرب جدہ، جناب ارشد حسین صحافی، سید ضیاء اللہ حسینی اور دوسروں نے شرکت کی۔ جناب محمد الیاس احمد خان کی قرات اور جناب رفیق مدارسی کی نعت شریف سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ محمد واحد علی خان ایڈوکیٹ صدر ڈیسنٹ ایجوکیشن سوسائٹی نے شکریہ ادا کیا۔

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

Maulana Azad National Urdu Universit

مرکزی یونیورسٹی جسے نیشنل اسسمنٹ اینڈ ایکریڈیشن کونسل سے ''اے گریڈ'' حاصل ہے

EPABX : 23008402-04

Directorate of Distance Education نظامت فاصلاتی تعلیم

Admissan Notofication - July Sesion 2020-21 داخلہ اعلامیہ۔ جولائی 2020-21 سیشن

جولائی 2020-21 سیشن کے لیے مندرجہ ذیل فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے پروگراموں میں داخلے کے لیے آن لائن درخواستیں مطلوب ہیں:

پروگرام کا نام	میعاد	مسلمہ حیثیت
ایم اے (اردو) ایم اے (انگریزی) ایم اے (تاریخ) ایم اے (ہندی) ایم اے (اسلامک اسٹیڈیز) ایم اے (عربی) **بی اے (فاصلاتی طرز)**	دوسالہ چار سمسٹر چار سمسٹر	یو جی سی، ڈی ای بی، نئی دہلی کے ذریعے منظور شدہ بحوالہ مکتوب F.8-2/2018 (DEB-II) مورخہ 16/اگست 2018 اور F.8-2/2018(DEB-II) مورخہ 25/جنوری 2019
بی اے بی کام بی ایس سی (لائف سائنسز)۔ بی زیڈ سی بی ایس سی (فزیکل سائنسز)۔ ایم پی سی	چار سمسٹر	یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا گزٹ نوٹیفکیشن نمبر 354 مورخہ 4/ستمبر 2020ء (یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ پروگرامس اور آن لائن پروگرامس) ضابطہ 2020 اور ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو پبلک نوٹس نمبر F.No.1-15/2020(DEB-I) مورخہ 12/10/2020
ڈپلوما ان ٹیچنگ انگلش ڈپلوما ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونکیشن	چار سمسٹر	
سرٹی فیکیٹ کورس۔ اہلیت اردو بذریعہ انگریزی سرٹی فیکیٹ کورس۔ فنکشنل انگلش برائے اردو داں	چھ ماہی	

امیدواروں کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ آن لائن فارم داخل کرنے سے قبل لازمی طور پر فاصلاتی تعلیم کا پراسپکٹس پڑھ لیں۔

ای پراسپکٹس اور آن لائن درخواست فارم 30 اکتوبر 2020 سے نظامت فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ manuu.edu.in/dde پر دستیاب رہیں گے۔ بی ایڈ (فاصلاتی طرز) کے لیے درخواست 1000 روپے رجسٹریشن فیس کے ساتھ آن لائن داخل کرنی ہوگی۔ جبکہ دیگر پروگرامس کے لیے درخواست 300 رجسٹریشن فیس کے ساتھ داخل کی جاسکتی ہے۔

امیدوار مزید تفصیلات کے لیے طلبہ رہبری یونٹ ہیلپ لائن 040-23008463 اور 040-23120600 (ایکسٹنشن 2207) سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ حیدرآباد، نئی دہلی، کولکتہ، بنگلور، ممبئی، پٹنہ، دربھنگہ، بھوپال، رانچی، امراوتی، سری نگر، جموں، نوح (میوات) اور لکھنؤ میں واقع یونیورسٹی کے ریجنل/سب ریجنل سنٹرس سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

آن لائن درخواست فارم داخل کرنے کی آخری تاریخ برائے بی ایڈ پروگرام 15/جون 2019 ہے اور دیگر پروگرامس کے لیے یکم/اگست 2019 مقرر ہے۔

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم — www.manuuu.ac.in — رجسٹرار

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

November 2020

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES FOR THE GENTLEMAN IN YOU

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar,
Khilwath, Hyderabad. T.S. India
Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com
Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com